غزل

فراق گورکھپوری

غزل

فراق گورکھپوری

(منتخب غزلیں)

★

تزئین و آرائش

عبدالرحمٰن چغتائی

★

نیا ادارہ

غزل

انتخاب

ناصر کاظمی

نظرِ ثانی

محمد حسن عسکری

بار اول : ۱۹۷۱ء

مطبع : سویرا آرٹ پریس
۱۵ - سرکلر روڈ ، لاہور

اہتمام : مشتاق احمد چودھری

ناشر : نذیر احمد چودھری
نیا ادارہ ، ۱۵ - سرکلر روڈ ، لاہور

اے اہلِ ادب آؤ یہ جاگیر سنبھالو
میں مملکتِ لوح و قلم بانٹ رہا ہوں

ترتیب

(چ)

(ر)

(غ)

(ق)

(ک)

(گ)

(م)

(ں)

(و)


فراق گرکھپوری

پیش لفظ

اردو غزل کے شائقین کے مجموعی تاثرات میری غزلوں کے متعلق مرتب ہو چکے ہیں۔ گزشتہ نصف صدی سے میری ہزارہا غزلیں اردو کے مشہور اور کثیرالاشاعت رسالوں اور جریدوں کے ذریعے سے مسلسل منظرِ عام پر آتی رہی ہیں۔ موجودہ صدی کی پہلی دہائی میں جب امیر اور داغ کا دور ختم ہؤا تو اردو غزل میں ایک انقلاب رونما ہؤا، اور وہ انقلاب اب تک جاری ہے۔ اس انقلاب کے کچھ علمبردار شاد عظیم آبادی، آسی غازی پوری، عزیز لکھنؤی اور محشر لکھنؤی تھے۔ امیر کے مقلدین میں بھی ایک نہایت لطیف انداز سے یہ انقلاب جلیل مانک پوری اور دل شاہجہان پوری کے کلام میں کارگر نظر آتا ہے۔ اس انقلاب کے دوسرے دور کی علمبرداری حسرت موہانی نے کی اور ان کے آگے پیچھے یگانہ چنگیزی، فانی بدایونی، اصغر گونڈوی اور جگر مرادآبادی نئی غزل کا پرچم ہاتھوں میں لیے ہوئے نظر آتے ہیں۔

حسرت موہانی اور ان کے جن ساتھیوں کا میں نے ذکر کیا ہے مجھ سے چند سال بڑے تھے۔ جب ان کی غزل سرائی اندازاً پندرہ برس تک فضا میں گونج چکی تھی اس وقت میری غزل گوئی کا آغاز ہؤا۔ میری شاعرانہ شخصیت و وجدان کی تخلیق و نشوو نما میں بہت سے اثرات شامل تھے۔ پہلا اثر سنسکرت ادب اور قدیم ہندو تہذیب کے وہ آدرش تھے جن میں مادی کائنات اور مجازی زندگی پر ایک ایسا معصوم اور روشن خیال ایمان ہمیں ملتا ہے جو مذہبی عقائد سے بے نیاز ہو کر اور بے نیاز کر کے شعور میں انتہائی گہرائی پیدا کر دیتا ہے اور اتنی طمانیت بخشتا ہے جو کہیں اور بہت تلاش ہی سے نصیب ہوتی ہے۔ گردشِ زمانہ سے ہندو سماج آج اپنے آپ کو کھو بیٹھا ہے لیکن ہندو سماج کی روح مذہبی عقائد و رسوم اور ملی تنظیم کے مقاصد سے بے نیاز

ہے - قدیم ہندو ادب مذہبی اور مسلکی ادب نہیں ہے بلکہ ایک مخصوص وجدان اور طرزِ احساس کا حامل و مظہر ہے - پھر میں یہ بھی محسوس کرتا رہا ہوں کہ قدیم ہندوستان کے بطن سے بہت سی غلطیوں ، گمراہیوں اور نقائص کے باوجود ایک نیا ہندو سماج جنم لے رہا ہے - یہ بنیادی اثرات تھے جن کو اپنی شاعری میں میں نے جذب کرنے کی کوشش کی - فارسی اور اردو ادب میں بھی وہ مقامات میرے لیے جاذبِ نظر رہے جو مذہبی عقائد اور مسلکی حد بندیوں سے بالکل آزاد تھے ، جہاں بجائے عصبیت کے ایک رچی ہوئی انسانیت سانس لے رہی تھی - اردو غزل لطیف و کثیف رد ہائے عمل کی ایک ایسی دنیا رہی ہے جس میں بہت سے لوگوں کے لیے نیک و بد ، سطحی اور گہرے احساسات میں تمیز کرنا ایک مشکل کام رہا ہے - میری جستجو یہی رہی کہ شروع سے لے کر اب تک کی اردو غزل میں ان اشعار کو اپنی روحانی اور نفسیاتی غذا بناؤں جن میں روشن خیالی اور شرافتِ جذبات کوٹ کوٹ کر بھری ہو - قدیم یونانی تہذیب اور دوسری قدیم تہذیبوں میں جو اعلیٰ ترین فکریات مجھے مل سکیں انہیں بھی میرے شعور اور لہجے نے اپنایا - پھر جدید مغربی ادب کے جواہر پاروں نے میری زندگی اور شاعری کو مالا مال کیا -

جیسے جیسے میرا ادبی شعور ترقی کرتا گیا مجھے یہ احساس ہؤا کہ اردو غزل کو میں کچھ قیمتی چیزیں دے سکوں گا - میں اردو غزل کی آواز و صوتیات کو بہت تہہ دار بنانا چاہتا تھا ، میں اردو غزل میں ایک نئی غنائیت لانا چاہتا تھا - اس کے علاوہ میری یہ کوشش رہی ہے کہ غمِ عشق و غمِ زندگی کا ایک ایسا احساس اپنی غزلوں میں پیدا کروں جس میں انتہائی سکون ملے ، یعنی اردو غزل میں میں ایک ایسی قوتِ شفا پیدا کرنا چاہتا تھا جو شاعری کی بلند ترین قدروں میں اور بلند ترین مقاصد میں شامل ہے - رقت و سکون ، گہرائی اور روشن خیالی ، شرافت و انسانیت اور ایک جاری و ساری فلسفۂ حیات یا نظریۂ حیات میں اپنی غزلوں میں لانا چاہتا تھا - میری غزل گوئی کا ایک اور مرکزی مقصد رہا ہے : وہ یہ کہ کبھی تخصیص اور کبھی تعمیم کے ذریعے سے آفاقیت کی صفت بھی اپنی غزلوں میں پیدا کروں - آفاق ادب کا

مفہوم میرے نزدیک یہ نہیں رہا ہے کہ ہر شعر یا ہر غزل میں یا ادب پارے میں براہِ راست پورے آفاق کا بیان ہو بلکہ مخصوص واردات لامحدود حقیقت سے منسلک نظر آئیں اور ان واردات کو محسوس اور ظاہر کرنے میں ہمارا لہجہ انتہائی انسانی لہجہ ہو۔ یہ پہچان ہے آفاق ادب کی۔ انسان کا بیدار شعور ذاتی خوشحالی اور ذاتی کامرانی یا لذت یابی سے آسودہ نہیں ہوتا۔ یہ آسودگی اس وقت نصیب ہوتی ہے جب ہمیں ایک ایسا شعورِ آفاق حاصل ہو، ایک ایسے نظامِ کائنات کا داخلی تجربہ ہو جہاں ہر واقعہ، ہر سانحہ، ہر زندگی، ہر چیز اپنی جگہ پر نظر آئے اور جز کا کل سے جو تعلق ہے اس کا ہمیں احساس ہو سکے۔ نظمِ کائنات کا یہی احساس حاصل کرتے جانا تہذیب و ادب کا مقصد ہے، اسی احساس سے شاعر کے لہجے میں وہ وزن اور گمبھیرتا پیدا ہوتی ہے اور حیاتِ انسانی میں وہ توازن پیدا ہوتا ہے جس کے بغیر انسان کی ہستی محض ایک ہستیِ پریشاں رہتی ہے۔ ہر چیز کو، اور اس بکھری ہوئی کائنات کو ایک پوری اکائی بنانا ادب کا مقصد ہے۔ ہر نمک حلال شاعر اپنے طور پر ایک کائناتِ احساس و شعور پیدا کرتا ہے اور یہی اس کا نظریۂ حیات و کائنات اور فلسفۂ زندگی کہلاتا ہے۔ یہ کام طباعی و لفاظی یا زورِ بازو کا نہیں۔ یہ سعادت ایک داخلی ریاضت سے پیدا ہوتی ہے اور اس کام میں قدم قدم پر گمراہیوں اور خطروں سے بچنا پڑتا ہے۔ شاعر کو اپنی شاعری اور قوتِ اظہار تک سے بچنا پڑتا ہے۔

بڑے سے بڑے شاعر کو یا ہر اس شاعر کو، جو حقیقی معنوں میں شاعر ہے، کسی نہ کسی داخلی بیماری کا شروع میں شکار ہونا پڑتا ہے۔ اسی بیماری سے لڑنا اس کی ادبی زندگی کا مرکزی مقصد ہوتا ہے۔ اس لڑنے کا مطلب یہ ہے کہ جو شدید اثرات شاعر کی زندگی میں ایک ناقابلِ برداشت انتشار اور جان لیوا کرب پیدا کر چکے ہیں اس انتشار اور کرب کو وجدان کی مدد سے ہم آہنگی اور سکون میں تبدیل کر دے۔ جب تک یہ بیماری یا بحران کسی کی زندگی میں پیدا نہ ہوں شاعری کی دیوی اس کے من مندر میں نہیں اترے گی۔ حالی کے وقت ہی سے غزل کے متعلق یہ سوال اٹھایا جاتا رہا ہے کہ غزل ہر جنسی،

شہوانی ، رومانی اور عشقیہ جذبات ہی کا راج کیوں رہے ؟ یہ مسئلہ غور کرنے کا ہے - کوئی بھی معقول آدمی سو فیصدی محض ایک خواہش یا ایک جذبے کا شکار ہو کر نہیں رہ جاتا لیکن پھر بھی دیگر محرکات کے ہوتے ہوئے بھی بسا اوقات بہت سے شاعروں اور ادیبوں پر ایک جذبہ اور اس کے متعلقات حاوی رہے ہیں - کہا جاتا ہے کہ سورداس نے ایک لاکھ پد یا ہندی غزلیں کہیں ہیں لیکن اُن سب میں بھگتی کے جذبات اور رادھا اور کرشن کی لیلا موضوعِ سخن ہے - حسرت موہانی کی عملی زندگی بہت سے اشتراکیوں کے مقابلے میں زیادہ سیاسی رہی ہے لیکن اُن کی وجدانی زندگی پر جنسی محبت کا غلبہ رہا ہے - جذباتی اور وجدانی طور پر انسانیت و زندگی کے کچھ آدرش اور مثّلی زندگی کے کچھ مقاصد اقبال پر حاوی رہے ہیں اس لیے رومانی محبت کے نغمے انھوں نے نہیں گائے - غزل میں اب تک تو صدر کی جگہ رومانی محبت کے لیے وقف رہی ہے - صدر کے قریب کی جگہیں ایسے جذبات کے لیے مخصوص رہی ہیں جن کا تعلق داخلی زندگی کے کچھ مرکزی مسائل سے رہا ہے یا تصوف سے رہا ہے - پھر ہمیں یہ بھی نہیں بھولنا چاہیے کہ بلند عملی اور علمی مقاصد کے ساتھ ساتھ جنسی جذبات کی تہذیب حیاتِ انسانی کے بلند ترین مقصدوں میں ہے - سیکڑوں ایسے ادبی شہ پارے ذہن میں آتے ہیں جن کا مقصد بے انصافی کے خلاف جنگ کرنا ہے ، مظلوموں سے ہمدردی پیدا کرنا ہے ، بلند ترین روحانی اور اخلاقی ترقی ہے لیکن کالیداس کی شکنتلا کا مرکزی موضوع رومانی محبت ہے ، میگھ دوت کا بھی یہی موضوع ہے - نظیری اور حافظ کی غزلوں کا بھی مرکزی موضوع لطیف جنسی تعلقات و نفسیات ہے - دنیا کے بلند ترین ادب کا بیشتر حصہ عشقیہ رہا ہے - یہ انسانی تہذیب کی کمزوری نہیں ہے بلکہ رچی ہوئی عشقیہ شاعری کے ذریعے سے انسانی زندگی کو جس طرح سنوارا گیا ہے اس کا مقابلہ اُن ادیبوں کے کارنامے کم ہی کر سکے ہیں جو خارجی زندگی کی اصلاح یا پیغامِ عمل کو اپنے ادب کا مقصد بنائے ہوئے تھے - اسی طرح رنگ و بو کی دنیا یا مناظرِ فطرت کی بلند ترین شاعری جو ہمیں انگریزی ادب کے دورِ رومانیت کے کارناموں میں ملتی ہے وہ بہت سی اخلاقی شاعری پر بھاری ہے -

اتنا ہی نہیں ایسے موضوعات، جیسے آزادی، انقلاب، اشتراکیت، مساوات، ایک نئی تہذیب کی تخلیق و تعمیر، انسانی تاریخ کا ڈراما، دیگر بڑے مقاصد کے لیے جد و جہد، ان سب پر لافانی ادب جب ہی پیدا ہو سکتا ہے جب شاعر یا ادیب کی وجدانی زندگی اور اس کے جمالیاتی احساس اور فنکارانہ صلاحیتیں ان موضوعات سے پرخلوص تعاون کر سکیں۔ فن میں پہلا اور آخری سوال خلوص کا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کئی سو برس پرانی اردو عشقیہ شاعری میں کامیاب شاعروں کی فہرست میں انے گنے نام ہی آتے ہیں۔ میر کے سو دو سو اشعار ایسے ہیں (شاید اس سے بہت زیادہ نہیں) جن کی شعریت کو دوسرے عشقیہ شاعروں کے کارنامے نہیں پاتے۔ یہ سب خلوصِ وجدان کا کرشمہ ہے۔ اسی لیے کہا گیا ہے کہ اخلاق سے بے نیاز ہو کر بھی آرٹ یا فن اخلاق سے زیادہ با اخلاق ہوتا ہے۔

فراق گورکھپوری

۸/۴ بینک روڈ، الہ آباد

۹ - جون ۱۹۵۸ء

غزل ، ۱۳

(الف)

☆

ہم نوا کوئی نہیں ہے وہ چمن مجھ کو دیا
ہم وطن بات نہ سمجھیں وہ وطن مجھ کو دیا

اے جنوں آج اُن آنکھوں کی دلا کر مجھے یاد
تو نے سو خطۂ آہوئے ختن مجھ کو دیا

مژدۂ کوثر و تسنیم دیا اوروں کو
شکر صد شکر غمِ گنگ و جمن مجھ کو دیا

ڈھک لیے تاروں بھری رات نے ہستی کے عیوب
آنسوؤں نے شبِ غربت میں کفن مجھ کو دیا

پر فرشتوں کو دیے ُتو نے تو کیا غم اس کا
یہی کیا کم ہے کہ انساں کا چلن مجھ کو دیا

ارضِ جنت کے بھی بس میں نہیں جس کا دینا
ہند کی خاک نے وہ سوزِ کفن مجھ کو دیا

وحدتِ عاشق و معشوق کی تصویر ہوں میں
نل کا ایثار تو اخلاصِ دمن مجھ کو دیا

قدِ رعنا کی قسم ، نرمِ صباحت کی قسم
عشق نے کیا چمنِ سرو و سمن مجھ کو دیا

مل گیا تجھ کو جمالِ رخِ رنگیں کا چمن
دلِ سوزاں کا یہ تپتا ہؤا بن مجھ کو دیا

غزل ، ۱۴

تیرے بطلان تھے لائے جو مجھے حق کی طرف
تو نے ایمان مرا شیخِ زمن مجھ کو دیا

نعرۂ حق نے کیا مرتبۂ عشق بلند
منصبِ جلوہ دہِ دار و رسن مجھ کو دیا

دستِ قدرت نے بس اک پیکرِ خاکی جس میں
سحرِ نو کی تھی خوابیدہ کرن مجھ کو دیا

ختم ہے مجھ پہ غزل گوئیِ دورِ حاضر
دینے والے نے وہ اندازِ سخن مجھ کو دیا

شاعرِ عصر کی تقدیر نہ کچھ پوچھ فراق
جو کبھی کا بھی نہ رکھے گا وہ فن مجھ کو دیا

* * *

تھی یوں تو شامِ ہجر مگر پچھلی رات کو
وہ درد اٹھا فراق کہ میں مسکرا دیا

دل دکھے روئے ہیں شاید اس جگہ اے کوئے دوست
خاک کا اتنا چمک جانا ذرا دشوار تھا

فراق اک اک سے بڑھ کر چارہ سازِ درد ہیں لیکن
یہ دنیا ہے یہاں ہر درد کا درماں نہیں ہوتا

غزل ، ۱۵

☆

آج بھی قافلۂ عشق رواں ہے کہ جو تھا
وہی میل اور وہی سنگِ نشاں ہے کہ جو تھا

منزلیں گرد کی مانند اڑی جاتی ہیں
وہی اندازِ جہانِ گزراں ہے کہ جو تھا

ظلمت و نور میں کچھ بھی نہ محبت کو ملا
آج تک ایک دھندلکے کا سماں ہے کہ جو تھا

کب ہے انکار ترے لطف و کرم سے لیکن
تو وہی دشمنِ دل ، دشمنِ جاں ہے کہ جو تھا

جان دے بیٹھے تھے اک بار ہوس والے بھی
پھر وہی مرحلۂ سود و زیاں ہے کہ جو تھا

قرب ہی کم ہے نہ دوری ہی زیادہ لیکن
آج وہ ربط کا احساس کہاں ہے کہ جو تھا

پھر تری چشمِ سخن سنج نے چھیڑی کوئی بات
وہی جادو ہے ، وہی حسنِ بیاں ہے کہ جو تھا

دیکھ سکنے کی الگ بات مگر حُسن ترا
دولتِ دیدۂ صاحب نظراں ہے کہ جو تھا

آج بھی کام محبت کے بہت نازک ہیں
دل وہی کارگہِ شیشہ گراں ہے کہ جو تھا

تیرہ بختی نہیں جاتی دلِ سوزاں کی فراق
شمع کے سر پہ وہی آج دھواں ہے کہ جو تھا

غزل ۱۶

☆

جہانِ غنچۂ دل کا فقط چٹکنا تھا
اسی کی بوئے پریشاں وجودِ دنیا تھا

یہ کہہ کے کل کوئی بے اختیار روتا تھا
وہ اک نگاہ سہی کیوں کسی کو دیکھا تھا

طنابیں کوچۂ قاتل کی کھنچتی جاتی تھیں
شہیدِ تیغِ ادا میں بھی زور کتنا تھا

یہی ہوا کہ فریبِ امید و یاس مٹے
وہ پا گئے ترے ہاتھوں ہمیں جو پانا تھا

حیات و مرگ کے کچھ راز کھل گئے ہوں گے
فسانہ شبِ غم ورنہ دوستو کیا تھا

کچھ ایسی بات نہ تھی تیرا دُور ہو جانا
یہ اور بات کہ رہ رہ کے درد اُٹھتا تھا

لگاوٹیں وہ ترے حسنِ بے نیاز کی آہ
میں تیری بزم سے جب نا امید اٹھا تھا

کہاں یہ چوک ہوئی تیرے بے قراروں سے
زمانہ دوسری کروٹ بدلنے والا تھا

یہ کوئی یاد ہے یہ بھی ہے کوئی محویت
ترے خیال میں تجھ کو بھی بھول جاتا تھا

کہاں کی چوٹ ابھر آئی تھی حسنِ تاباں میں
دمِ نظارہ وہ رُخ درد سا چمکتا تھا

غزل ، ۱۷

قسم ہے بادہ کشو چشمِ مستِ ساقی کی
بتاؤ ہاتھ سے کیا جامِ سے سنبھلتا تھا

ہر ایک سانس ہے تجدیدِ "یاد ایّامے"
گزر گیا وہ زمانہ جسے گزرنا تھا

نہ کوئی وعدہ ، نہ کوئی یقیں ، نہ کوئی امید
مگر ہمیں تو ترا انتظار کرنا تھا

کسی کے صبر نے بے صبر کر دیا سب کو
فراق نزع میں کروٹ کوئی بدلتا تھا[1]

* * *

ایک کو ایک کی خبر منزلِ عشق میں نہ تھی
کوئی بھی اہلِ کارواں ، شاملِ کارواں نہ تھا

یوں تو اپنی رام کہانی کہہ کے فراق نہ روتا تھا
آنکھیں جس سے بھر آئی تھیں نام ترا یاد آیا ہوگا

وصال کو بھی بنا دے جو عین دردِ فراق
اُسی سے چھوٹنے کا غم سہا نہیں جاتا

---

۱ - عین جوانی میں اپنے بڑے بھائی کی موت دیکھ کر یہ شعر کہا تھا - فراق

غزل ، ۱۸

☆

صلائے عامِ عشق ہے فریبِ خلد میں نہ آ
عذاب سہہ ، عذاب سہہ ، ثواب میں ہے کیا دھرا

فراق سا کوئی وہ تیری انجمن میں کون تھا ؟
وہ درد کچھ اُٹھا اُٹھا ، وہ رنگ کچھ اُڑا اُڑا

جو اہلِ دل کی جان ہیں وہ اور ہیں کرم ستم
یہ کیا کہ باتوں باتوں میں ہنسا دیا رُلا دیا

ازل سے جو نہ مٹ سکی وہ بےکسی تھی عشق کی
تری نگاہِ لطف نے ہزار آسرا دیا

کبھی کبھی تو حسن کو بھی درگزر ضرور ہے
سکوتِ یاس پر نہ جا ، کچھ یاد آج آ گیا

وہ سوزِ درد مٹ گئے وہ زندگی بدل گئی
سوالِ عشق ہے ابھی ، یہ کیا کیا ، یہ کیا ہوا

میں پوچھتا تو ہوں مگر جواب کے لیے نہیں
یہ کیوں تری نظر پھری یہ کیوں بدل گئی ہوا

خبر نہ جن کی تو نے لی وہ لوگ اب فسانہ ہیں
پتا نہ جس کا تھا تجھے ، وہ غم دلوں کو کھا گیا

فسردگیِ عشق بجلیوں کی رو میں آ گئی
مجھے اداس دیکھ کر یہ کون مسکرا دیا

مٹا نہ دے مٹا نہ دے یہ داغ سینۂ تپاں
تلف نہ کر تلف نہ کر یہ نسخہ ہائے کیمیا

غزل ، ۱۹

میں دورِ چرخ و دورِ مے سے بے خبر نہیں مگر
چھڑا ہوا ازل سے ہے اس آنکھ کا معاملا

فراق اور بھی تو اہلِ درد ہیں جہان میں
یہ بے قراریاں درست ، یہ آداسیاں بجا

* * *

ستارے جاگتے ہیں رات لٹ چھٹکائے سوتی ہے
دبے پاؤں کسی نے آ کے خوابِ زندگی بدلا

ترا وصال بڑی چیز ہے مگر اے دوست
وصال کو مری دنیائے آرزو نہ بنا

فراق اور کوئی داستانِ عشق سنا
فسانۂ غم و شادی تو ہو چکا کب کا

جہاں میں تھی فقط افواہ تیرے جلووں کی
چراغ دیر و حرم جھلملائے ہیں کیا کیا

اُمیدوار اسی کے تھے مہمانِ بہار
اڑی تو بوئے چمن کا دماغ بھی نہ ملا

غزل ، ۲۰

☆

رس میں ڈوبا ہؤا لہراتا بدن کیا کہنا
کروٹیں لیتی ہوئی صبحِ چمن کیا کہنا

مدھ بھری آنکھوں کی السائی نظر پچھلی رات
نیند میں ڈوبی ہوئی چندر کرن کیا کہنا

باغِ جنت پہ گھٹا جیسے برس کر کھل جائے
سوندھی‌سوندھی‌تری خوشبوئے بدن کیا کہنا

روپ سنگیت نے دھارا ہے بدن کا یہ رچاؤ
تجھ پہ لہلوٹ ہے بے ساختہ پن کیا کہنا

جیسے لہرائے کوئی شعلہ ، کمر کی یہ لچک
سر بسر آتشِ سیّال بدن کیا کہنا

قامتِ ناز لچکتی ہوئی اک قوسِ قزح
زلفِ شبرنگ کا چھایا ہؤا گھن کیا کہنا

جس طرح جلوۂ فردوس ہواؤں سے چھنے
پیرہن میں ترے رنگینیٔ تن کیا کہنا

جلوہ و پردہ کا یہ رنگ دمِ نظارہ
جس طرح ادھ کھلے گھونگھٹ میں دلھن کیا کہنا

جگمگاہٹ یہ جبیں کی ہے کہ پَو پھٹتی ہے
مسکراہٹ ہے تری صبحِ چمن کیا کہنا

دل کے آئینے میں اس طرح اُترتی ہے نگہ
جیسے پانی میں لچک جائے کرن کیا کہنا

غزل ، ۲۱

قدِ رعنا کی یہ چمکار یہ آیا ہؤا پیار
عشق کا حسن نے بدلا ہے برن کیا کہنا

تو محبت کا ستارا تو جوانی کا سہاگ
حسن لَو دیتا ہوا لعلِ یمن کیا کہنا

یہ نگاہوں کی کھنک ، تیغِ ادا کی جھنکار
حسن سر تا بہ قدم ، بولتا رن کیا کہنا

زلفِ شبگوں کی چمک ، پیکرِ سیمیں کی دمک
دیپ مالا ہے سرِ گنگ و جمن کیا کہنا

* * *

کیوں نہ گلوں کو دیکھ کر اشک بھر آئیں آنکھ سے
روپ تو اہلِ درد کا ، رنگ نشاط کا دیا

پچھلے پہر شبِ فراق کون یہ مجھ سے کہہ گیا
تیرا جواب پھر کہاں تو جو یہ درد سہہ گیا

موسموں کا فریب کھانا ہے
تو چمن سے بھی ہاتھ دھو لینا

آج آنکھوں میں کاٹ دے شبِ ہجر
زندگانی پڑی ہے سو لینا

غزل ، ۲۲

☆

یہ اضطراب کیا ہے ، حال کیا ہے ، مدعا ہے کیا
وہ دیکھتے تو جانتا وہ پوچھتے تو سوچتا

ہیں یوں تو بے نیازیوں کو تیری لاکھ مشغلے
جو ہو سکے تو اہلِ درد کو بھی یاد آئے جا

کہاں تک اک جہاں کے وہمِ نو بہ نو کو روئیے
یہ سچ کہ حسن با وفا ، بجا کہ عشق بے خطا

مجھے بھی یاد ہیں وہ شامِ ہجر کی حکائتیں
وہ درد سا رُکا رُکا وہ اشک سا تھما تھما

خیالِ ربطِ باہمی مجھے بھی ہے اسے بھی ہے
یہ آرزو الگ الگ ، یہ مدعا جدا جدا

مٹے نہ سوزِ زندگی جدائیوں کا غم نہ کر
یہ قولِ عشق یاد رکھ وہ عہدِ حسن بھول جا

ہر انجمن سے وہ نگاہِ ناز لے اڑی مجھے
بصد جنون و ہوش عشق رہ گیا ہے دیکھتا

بس ایک عشق کے خراب ہونے ہی کی دیر تھی
شباب تھا سنور گیا ، زمانہ تھا گزر گیا

فضائے کائنات آنکھ کھولتی چلی فراق
یہ نغمہ ہائے زندگی سنائے جا سنائے جا

غزل ، ۲۳

☆

نہ پوچھ تیری محبت میں ہاتھ کیا آیا
نہ چاہیے مجھے اب کچھ بھی اور بھر پایا

خیالِ گیسوئے جاناں کی وسعتیں مت پوچھ
کہ جیسے پھیلتا جاتا ہے شام کا سایا

کچھ ایسا رنجِ جدائی بھی تھا نہ آج مگر
سکونِ نیم شبی میں بہت تُو یاد آیا

زیادہ ظرف سے دینا بھی کوئی دینا ہے
ہر اک نے تیری محبت کا جام چھلکایا

کبھی سنے تھے تقاضائے فطرتِ معصوم
اسی نے خُلد سے انسان کو نکلوایا

نگاہِ ہوش رُبا تک تو تھے حواس بجا
میں کھو گیا ہوں ان آنکھوں کا جب پتا پایا

فریبِ ہجر وہی ہے ، وہی فریبِ وصال
ابھی کہاں تجھے کھویا ، ابھی کہاں پایا

بتائیں کیا دلِ غمگیں اداس کتنا تھا
کہ آج تو نگہِ ناز نے بھی سمجھایا

تو عشق ہی کی پشیمانیوں کو روتا ہے
تجھے خبر ہی نہیں حسن بھی تو پچھتایا

تری نگاہ ہوئی جب تو زندگی پائی
کہ آج تک تو مجھے موت نے بھی ترسایا

غزل ۲۴

صدائے دل ہوئی ثابت حریفِ ضربِ کلیم
میں ڈر رہا تھا کہ پتھر سے شیشہ ٹکرایا

دلوں نے تجھ سے بھی جس کو بچا کے رکھا تھا
نگاہِ یار وہی درد آج کام آیا

نگاہِ شوق نے کچھ، انجمن نے کچھ سمجھا
کوئی نہ دیکھ سکا اس طرح وہ شرمایا

مناسبت بھی ہے کچھ غم سے مجھ کو اور اے دوست
بہت دنوں سے تجھے مہربان نہیں پایا

یہ زندگی کے کڑے کوس، یاد آتا ہے
تری نگاہِ کرم کا گھنا گھنا سایا

فراق ایک ہوئے جاتے ہیں زمان و مکان
تلاشِ دوست میں میں بھی کہاں نکل آیا

* * *

منازلِ ارتقا کے دھوکے زمانہ پہلے ھی کھا چکا ہے
کسی کو جس کی خبر نہیں ہے وہ انقلاب ایک بار ہوگا

نثار پیمانِ دوستی کے، مگر ہے گردش میں آسماں بھی
جو یادِ ماضی پہ منحصر ہو وہ عہد کیا استوار ہوگا

غزل ، ۲۵

☆

راز کو راز ہی رکھا ہوتا
کیا کہنا گر ایسا ہوتا

رات کی رات کبھی گھر میرا
تیرا رین بسیرا ہوتا

آج تو دردِ ہجر بھی کم ہے
آج تو کوئی آیا ہوتا

یہ نرجن بَن ، یہ سنّاٹا
کوئی پتّا کھڑکا ہوتا

میں ہوں دل ہے تنہائی ہے
تم بھی جو ہوتے اچھا ہوتا

پردہ داریٔ غم بھی ہے شاکی
تو نے حال تو پوچھا ہوتا

کچھ تو محبت کر کے دکھاتی
کچھ تو زمانہ بدلا ہوتا

منزل منزل دل بھٹکے گا
آج تمھیں نے روکا ہوتا

ہم بھی فراق انسان تھے آخر
ترکِ محبت سے کیا ہوتا

غزل ، ٢٦

☆

در پردہ جرم ھو کے بھی کب تک رھے چھپا
اے عشق دیکھ ! سامنے آیا کیا دھرا

اُس دل کو کیسے آئے خیالِ دعائے وصل
اے دردِ ھجر ھو جسے تیرا ھی آسرا

مدت کے بعد کل دلِ گم گشتہ سے ملے
تھا کچھ اُداس اُداس سا کچھ بے قرار سا

اب تک بنا رھا بھرم اے عشقِ نامراد
کر بیٹھے اُس سے عرضِ تمنّا بُرا ھوا

اے دوست زندگی کی تو خیر اور بات تھی
اب ھو سکے تو بخش دے میرا کہا سنا

کیا اس سے بڑھ کے ھوں گی دوعالم کی نعمتیں
کیا کم ھے یہ کہ مجھ کو دیا دل دُکھا دُکھا

وہ اضطرابِ عشق سرِ جلوہ گاہِ ناز
کچھ سانس تیز تیز سی کچھ رنگ اُڑا اُڑا

اس پیکرِ نشاط پہ کیوں کر اثر کرے
میرا بیانِ درد و الم کچھ تھکا تھکا

عرضِ نیاز و عذرِ خطا کا نہیں یہ وقت
بیٹھا ھے اے دل آج وہ ظالم بھرا بھرا

کچھ ولولے اگر ھیں تو کچھ وسوسے بھی ھیں
دل تیرے در کی سمت چلا ھے رُکا رُکا

غزل ، ۲۷

عالم وہ میرا میرے عزیزوں کو یاد ہے
چہرہ وہ زرد زرد سا ، وہ دل بجھا بجھا

بدلے ہوئے سے تم ہو کہ آثارِ آسماں
کیا بات ہے کہ عشق بہت ہے ڈرا ڈرا

ہم سا ہی تھا فراق مگر بھولتا نہیں
جو بے تکلّفی میں جلال اُس کے رخ پہ تھا

* * *

عشق کی رو میں آ گئے حسن کے قرب و دید بھی
میری نگاہِ شوق نے مجھ کو کہاں چھپا دیا

یہ نہیں ہے کہ زمانے کو بدل ہی نہ سکیں
دلِ غمگیں تجھے آیا نہیں غمگیں ہونا

چوڑیاں بجتی ہیں دل میں مرحبا بزمِ خیال
کھلتے جاتے ہیں نگاہوں میں جبینوں کے گلاب

اور بھی کام ہیں دنیا میں غمِ الفت کو
اس کی یاد اچھی نہیں اے دلِ ناکام بہت

غزل ، ۲۸

☆

تو تھا یا کوئی تجھ سا تھا
میری راہ میں کون کھڑا تھا

کون بتائے عشق میں تیرے
دکھ کتنا تھا سکھ کتنا تھا

کیا دھرا سب سامنے آیا
میں پہلے سے دیکھ رہا تھا

وادی وادی ، جنگل جنگل
جیسے کوئی چلا آتا تھا

میں بھی تھا سچا ، تم بھی تھے سچے
عشق میں سچ ہی کا رونا تھا

روتے روتے فراق ھجر میں
کوئی اکثر ھنس پڑتا تھا

* * *

دردِ دل کیا ھے کھلا آج تیرے لڑنے پر
تجھ سے اتنی ھے محبت مجھے معلوم نہ تھا

غزل ، ۲۹

☆

فسردہ پا کے محبت کو مسکرائے جا
اب آ گیا ہے تو اک آگ سی لگائے جا

اس اضطراب میں رازِ فروغ پنہاں ہے
طلوعِ صبح کے مانند تھرتھرائے جا

جہاں کو دے گی محبت کی تیغ آبِ حیات
ابھی کچھ اور اسے زہر میں بجھائے جا

مٹا مٹا کے محبت سنوار دیتی ہے
بگڑ بگڑ کے یُونہی زندگی بنائے جا

وہ کیمیا ہی سہی ، پہلے خاک ہونا ہے
ابھی تو سوزِ نہانی کی آنچ کھائے جا

ابھی تو اے غمِ پنہاں ، جہان بدلا ہے
ابھی کچھ اور زمانے کے کام آئے جا

کھلیں نہ حسن کی فطرت کے راز عاشق سے
برت خلوص بھی ، جھوٹی قسم بھی کھائے جا

دلوں کو تیری جدائی بھی ہو رہے گی قبول
کوئی دن اور یہ ویرانیاں بسائے جا

پھر اپنے ناز بھی اُٹھتے نہیں محبت سے
ابھی تو ایک زمانے کے ناز اٹھائے جا

خلوصِ عشق کو کرنا دوائے غفلت و ہوش
کسی کو یاد کے پردے میں کچھ بھلائے جا

غزل ، ۳۰

شباب پر ہے زمانہ ، ترے ستم کے نثار
ابھر رہا ہوں کئی رنگ سے مٹائے جا

بغیر علم بھی جیسے ہوائیں چلتی ہیں
یونہی کچھ اہلِ محبت کو یاد آئے جا

فراق چھیڑ دیا تو نے کیا فسانۂ درد
سمجھ میں کچھ نہیں آتا مگر سنائے جا

* * *

میں وہ ہنگامہ ہوں خود مجھ کو نہیں جس کی خبر
پوچھتا پھرتا ہوں یہ شور کہاں ہوتا ہے

منزلیں درد کی کاٹی ہیں جسے لے کے فراق
آج وہ تیر کلیجے سے جدا ہوتا ہے

اے جذبِ نہاں اور کوئی ہے کہ وہی ہے
خلوت کدۂ دل میں اک آواز ہوئی ہے

ابھی سنبھلے رہو کہ دن ہے فراق
رات پھر بے قرار ہو لینا

غزل ، ۳۱

☆

مردِ حق پیشہ کو پھر دار و رسن پر کھینچا
اک ستون اور گرا ایک چراغ اور بجھا

دام نادار لگائیں گے نئی دنیا کا
اہلِ دولت سے تو اے چرخ یہ سودا نہ پٹا

جس کو کچھ سود و زیاں سے نہیں اے دل سروکار
عشق کا اس کو حساب آتا ہے سیدھا سیدھا

آ پڑے وقت تو دنیا ہے قسم کھانے کو
ہاں قسم ہے تجھے اے عشق قسم اس کی نہ کھا

جس سکوں کی ہے طلب ، روئے زمیں پر وہ نہیں
ہم نے اس انجمنِ ناز کو بھی جا دیکھا

سب سے موزوں ہے زیارت کے لیے شہرِ نگار
یہ زمیں وہ ہے جہاں عشق نے دم توڑ دیا

ہو نہ ہو کوئی کمی تو ہے زمانے میں ضرور
نظر آتا ہے یہ عالم مجھے سُونا سُونا

عشق والوں میں وہ پہلی سی نہ گرمی نہ تڑپ
حسن والوں میں وہ اگلی سی وفا ہے نہ جفا

اک کشش ہوتی ہے اسلاف کی جگ بیتی میں
قصہ گو عہدِ گزشتہ کے کچھ افسانے سنا

کم سے کم موت سے ایسی مجھے امید نہیں
زندگی تو نے تو دھوکے پہ دیا ہے دھوکا

غزل ، ۳۲

خواب تھا خواب وہ نظارۂ حالِ انساں
آنکھ جس وقت کھلی مجھ سے تو دیکھا نہ گیا

نام سے دل کے ، سرِ میکدہ جس کی ہے تلاش
میرے پہلو میں وہ اک جام تھا چھلکا چھلکا

وہ پھریں اپنے در و بام پہ اہلے گہلے
عشقِ آوارہ پھرے دشت میں مارا مارا

آپ کا شائقِ ارشاد ہوں میں آپ سے دور
حکم کی دیر ہے سمجھیں مجھے آیا آیا

چل گئی حضرتِ واعظ میں اور اک رند میں آج
معرکہ خوب ہے جیسے کو ملا ہے تیسا

اُف یہ تنہائی کا احساس بھری دنیا میں
زندگی مجھ سے اب اس طرح تو آنکھیں نہ چرا

دور بدلا تو کہاں جائیں گے اے حاکمِ وقت
ہم غریبوں کی الگ بات ہے عالیجاہا

مجھ سے تو پوچھ رہا ہے شبِ غم کا مصرف
دل میں سوئی ہوئی اک جوت ہے آج اس کو جگا

منتظر دل کی کٹی جاتی ہے تاروں بھری رات
نیند آتی ہے تری یاد کو آنا ہے تو آ

اس کی دیوار کے سائے میں کٹی عمرِ فراق
میں تو کمبخت یہیں تھا کہیں آیا نہ گیا

غزل ، ۳۳

☆

اے دلِ صد چاک اس میں نہیں تھی چارہ گروں کی کوئی خطا
سانس ذرا لی زخمِ نہاں نے ، ٹانکا ٹانکا ٹوٹ گیا

آبادی شادابی سب کچھ ایک اُسی کے دم سے تھی
دنیا آجڑ گئی نظروں میں ہم چشمو ! دل کیا اُجڑا

میرے دل کے کچھ سپنوں نے ایک چھاؤنی چھائی تھی
آنکھ کھلی تو حدِ نظر تک اس کا کوئی نشان نہ تھا

اک افسانہ شروع کیا تھا ہم دونوں کی محبت نے
یاد تمھیں بھی ہوگا کچھ کچھ مجھ کو بھی ہے تھوڑا تھوڑا

اُس سے محبت کی ترکیبیں یوں تو بتاتے رہتے تھے لوگ
کس سے پوچھوں ،کون بتائے ، اب وہ خفا ہے ،کیا ہوگا؟

ساقی کیا وہ دورِ طرب اب پھر سے پلٹ کے نہ آئے گا
چھلکی چھلکی شرابِ محبت ، جامِ دل چٹکا چٹکا

ایسی اُکھڑی اُکھڑی فضا میں کیسے جمے رنگِ محفل
جانِ انجمن ہو کر بھی بیٹھا ہے کوئی آچٹا آچٹا

کون بتائے ٹھیک نہیں کچھ ایسے بیماروں کا فراق
دل ہے اب کوئی دم کا مہماں ، صبح گیا یا شام گیا

غزل ، ۳۴

☆

دورِ فلک کچھ رُکا رُکا سا — قافلہ کچھ ٹھہرا ٹھہرا سا
عشق ہو امرت یا ہو ہلا ہل — ایک جہاں ہے پیاسا پیاسا
دل امڈا سا ، آنکھ بھری سی — آج تو حسن بھی ہے اپنا سا
بے لنگر ہے ، پریم کی کشتی — روپ بھی ہے چڑھتا دریا سا
دل کو تجھ سے ، دل سے تجھ کو — ایک جھجک سی، اک کھٹکا سا
آج یہ کون ہے میرے آگے — کچھ دیکھا کچھ ان دیکھا سا
عشق میں ایک عذاب سا سر پر — سر پر رحمت کا سایا سا
آہ وہ عالمِ حسن ، وہ جب ہو — نیند سے کچھ جاگا جاگا سا
سامنے سے وہ اُس کا گزرنا — وہ دامن ہاتھ آیا ہوا سا
ہجر میں آٹھ پہر کا رونا — بات ذرا سی غم اتنا سا

دیکھ فراق خوشی پھر اپنی
اس میں ملا لے غم تھوڑا سا

غزل ، ۳۵

(ت)

☆

تیرہ و سرد و فسردہ ہے بہت شامِ حیات
آگ پلوا کے رہے گی ترے رندوں کو یہ رات

دن بھی اس دور میں بے رنگ ہے بے کیف ہے رات
چھیڑ اے گردشِ افلاک پھر آن آنکھوں کی بات

ایک دنیا کو جگاتی ہیں ، سلاتی ہیں یہی ،
بات کی بات نگاہیں ہیں تری ، رات کی رات

میرے نغمات ہیں یا زیر و بمِ کُن فیکون
میری آواز رُکی ، ڈوب گئی نبضِ حیات

روکشِ صبحِ ازل ، جلوہ دہِ روزِ حساب
ہم گدایانِ درِ پیرِ خرابات کی رات

موجِ بادہ ہے کہ ساغر سے کرن پھوٹتی ہے
جامِ خورشید بہ پہلو ہے یہ دھکی ہوئی رات

گونج اٹھے گلشنِ ہستی ترے نغموں سے فراق
وہ غزل چھیڑ جسے سب کہیں گلبانگِ حیات

غزل ، ۳٦

☆

کاوشِ صبح بہت اب نہ غمِ شام بہت
ہو گیا عشق بھی بیگانۂ ایّام بہت

تھی فقط کیفیتِ بادہ کشی تیرے ساتھ
یوں تو اس دور میں گردش میں نہ تھے جام بہت

عشق کے صدق و صفا رشکِ جہاں ہیں لیکن
کوئی الزام دیا چاہے تو الزام بہت

آ ہی جاتی ہے مگر پھر بھی سئے درد کی یاد
گرچہ ہے ترکِ محبت میں بھی آرام بہت

دوش و گردن کے لیے ہوگئے چھٹتے ہی وبال
پرِ پرواز پھڑکتے تھے تہِ دام بہت

دل ہی دل میں کوئی رہ رہ کے جھجک اٹھتا ہے
سنتے ہیں عشق زمانے میں ہے بدنام بہت

اور بھی کام ہیں دنیا میں غمِ الفت کو
اُس کی یاد اچھی نہیں اے دلِ ناکام بہت

عشق کے درد کا خود عشق کو احساس نہیں
کھنچ گیا بادہ سے بھی دردِ تہِ جام بہت

لاکھوں پیغامِ فنا لاکھوں تقاضائے بقا
زندگی ہے تو محبت کے لیے کام بہت

یاس و امید سے وعدے کو ترے کیا نسبت
طول اب کھینچ چکی صبح بہت ، شام بہت

غزل ، ۳۷

اس ترے ترکِ جفا ترکِ تغافل کے نثار
عشق زندہ ہے تو دنیا میں ہیں آلام بہت

عشق آغاز ہی آغاز سراسر نکلا
آہ وہ دل کہ رہا مائلِ انجام بہت

لیکن اک شکوۂ بے نام کو کیا کیجے فراق
باوفا حسن بہت ، عشق بھی خوش کام بہت

* * *

عشق ابھی سے تنہا تنہا
ہجر کی بھی آئی نہیں نوبت

زندگی کو بھی منہ دکھانا ہے
رو چکے تیرے بے قرار بہت

جن کی تعمیر عشق کرتا ہے
کون رہتا ہے اُن مکانوں میں

غزل ، ۳۸

☆

چھڑ گئی اَن آنکھوں کی بات
دنیا میں اب دن ہو کہ رات

بازیٔ عشق کی پوچھ نہ بات
جیت کی جیت ہے مات کی مات

چال نہ چلنے تک ہے خیر
چال آتے ہی بازی مات

کٹتے کٹتے کٹتی ہے
ہجر کی گھٹتی بڑھتی رات

عشق کی دنیا نیاری ہے
اس نگری میں دن ہے نہ رات

رکھ رکھاؤ اُس آنکھ کا دیکھ
چپ کی چپ اور بات کی بات

اپنا دیس بھی اب ہے بدیس
اپنی خبر بھی دور کی بات

پانی کا تو بہانہ ہے
آگ لگاتی ہے برسات

اے دل درد سے یوں نہ تڑپ
کچھ تو سنبھل اے مرد کی ذات!

رمز و کنایہ کی ہے جان
اس کی سیدھی سادی بات

غزل ، ۳۹

پگھلا سونا روشن دن
پگھلی چاندی چاندنی رات

قاتل اس کو کون کہے
ہنس مکھ آنکھیں کومل گات

جینے والے جی ہی لیں گے
اب نہ ملو گے ؟ اچھی بات

ہجر میں پہلی نگاہ کا ذکر
کب یاد آئی کب کی بات

پونچھ یہ جلتے جلتے اشک
دیکھ یہ بھیگی بھیگی رات

اُڑتی نیند سے پوچھ فراق
آئی ہوگی کتنی رات

* * *

یوں تو بازی اجل سے مار گئی
زندگی زندگی سے ہار گئی

سوچتا ہوں کہ دل سے تیری یاد
گئی اور کتنی بے قرار گئی

غزل ، ۴۰

☆

سنا تو ہے کہ کبھی بے نیازِ غم تھی حیات
دلائی یاد نگاہوں نے تیری کب کی بات !

حیات بن گئی تھی جن میں ایک خوابِ حیات
ارے دوام و ابد تھے وہی تو کچھ لمحات

حیاتِ دوزخیاں بھی تمام مبہم ہے
عذاب بھی نہ میسر ہؤا ، کہاں کی نجات !

بس اک شرابِ کہن کے کرشمے ہیں ساقی
نئے زمانے ، نئی مستیاں ، نئی برسات

سکوتِ راز وہی ہے جو داستاں بن جائے
نگاہِ ناز وہی جو نکالے بات میں بات

تمام عکس ہے دنیا ، تمام عکسِ عدم
کہاں تک آئنہ در آئنہ حیات و ممات

بس ایک رازِ تسلسل ، بس اک تسلسلِ راز
کہاں پہنچ کے ہوئی ختم بحثِ ذات و صفات

چمکتے درد ، کھلے چہرے ، مسکراتے اشک
سجائی جائے گی اب طرزِ نو سے بزمِ حیات

جسے سب اہلِ جہاں زندگی سمجھتے ہیں
کبھی کبھی تو ملے ایسی زندگی سے نجات

اگر خدا بھی ملے تو نہ لے ، ارے ناداں !
ہے تو ہی کعبۂ دیں ، تو ہی قبلۂ حاجات

غزل ، ۴۱

تمام خستگی و ماندگی ہے عالمِ ہجر
تھکے تھکے یہ ستارے ، تھکی تھکی سی یہ رات

تری غزل تو نئی روح پھونک دیتی ہے
فراق دیر سے چھوٹی ہوئی ہے نبضِ حیات

* * *

یک جہتی و دلجوئی و اخلاص سبھی ہے
اس بزمِ محبت میں فقط تیری کمی ہے

ہر ذرے میں اک کیفیتِ نیم شبی ہے
اے ساقیٔ دوراں یہ گناہوں کی گھڑی ہے

تارے بھی ہیں بیدار ، زمیں جاگ رہی ہے
پچھلے کو بھی وہ آنکھ کہیں جاگ رہی ہے

یہ رات اندھیری ہے مگر اے غمِ فردا
سینوں میں ابھی شمعِ یقیں جاگ رہی ہے

غزل ، ۴۲

☆

آج مرگ و زیست سے مایوس ہے یہ کائنات
آہ اے جانِ ممات اور اے حیاتوں کی حیات

جلوہ گر ہوتا ہے کوئی رسمساتی ہے حیات
ٹوٹتا ہے مدتوں کے بعد خوابِ کائنات

حُسن کا جادو جگائے اک زمانہ ہو گیا
اے سکوتِ شامِ غم پھر چھیڑ اُن آنکھوں کی بات

زندگی کو زندگی کرنا کوئی آساں نہ تھا
ہضم کرکے زہر کو کرنا پڑا آبِ حیات

پیش خیمہ نظمِ نو کا ہے یہ دورِ کشت و خون
موت کے ہاتھوں سجائی جائے گی بزمِ حیات

جا ملی ہے موت سے آج آدمی کی بے حسی
جاگ اے صبحِ قیامت اُٹھ اب اے دردِ حیات

فرق کرنا نور اور ظلمت میں مشکل ہو گیا
اس غزالِ مست سے پوچھو کوئی دن ہے کہ رات

میری باتیں سن کے آنکھوں میں نمی سی دیکھ لے
کافر و دیندار سے سن دہریات و دینیات

میں نے اس آواز کو پالا ہے مر مر کے فراق
آج جس کی نرم لو ہے شمعِ محرابِ حیات

غزل ، ۴۳

☆

یہ نکہتوں کی نرم روی ، یہ ہوا ، یہ رات
یاد آ رہے ہیں عشق کو ٹوٹے تعلقات

جادو سے جن کے راز بنے سامنے کی بات
اُن آنکھوں کے دلوں پہ کھلیں کیا معاملات

مایوسیوں کی گود میں دم توڑتا ہے عشق
اب بھی کوئی بنا لے تو بگڑی نہیں ہے بات

اک عمر کٹ گئی ہے ترے انتظار میں
ایسے بھی ہیں کہ کٹ نہ سکی جن سے ایک رات

کب تک رہے گی آنکھ تری سازِ بے صدا
ہاں ، ٹوٹ جائے اب یہ سکوتِ نظر تو بات

ہم اہلِ انتظار کے آہٹ پہ کان تھے
ٹھنڈی ہوا تھی ، غم تھا ترا ، ڈھل چلی تھی رات

یوں تو بجی بجی سی اٹھی وہ نگاہِ ناز
دنیائے دل میں ہو ہی گئی کوئی واردات

عشاق نے سرے سے بدل دیں مشیتیں
جو ہو سکا وہ کر گئے اب اس کے آگے بات

جن کا سراغ پا نہ سکی غم کی روح بھی
ناداں ہوئے ہیں عشق میں ایسے بھی سانحات

ہر سعی و ہر عمل میں محبت کا ہاتھ ہے
تعمیرِ زندگی کے سمجھ کچھ محرکات

غزل ، ۴۴

اس جا تری نگاہ مجھے لے گئی جہاں
لیتی ہو جیسے سانس یہ بے جان کائنات

کیا نیند آئے اس کو جسے جاگنا نہ آئے
جو دن کو دن کرے وہ کرے رات کو بھی رات

اہلِ رضا میں شانِ بغاوت بھی ہو ذرا
اتنی بھی زندگی نہ ہو پابندِ رسمیات

ہم اہلِ غم نے رنگِ زمانہ بدل دیا
کوشش تو کی سبھی نے مگر بَن پڑے کی بات

پیدا کرے زمین نئی آسماں نیا
اتنا تو لے کوئی اثرِ دورِ کائنات

اُٹھ بندگی سے مالکِ تقدیر بن کے دیکھ
کیا وسوسہ عذاب کا کیا کاوشِ نجات

شاعر ہوں، گہری نیند میں ہیں جو حقیقتیں
چونکا رہے ہیں اُن کو بھی میرے توہّمات

مجھ کو تو غم نے فرصتِ غم بھی نہ دی فراق
دے فرصتِ حیات نہ جیسے غمِ حیات

(ج)

☆

دنیا کو انقلاب کی یاد آ رہی ہے آج
تاریخ اپنے آپ کو دہرا رہی ہے آج

وہ سر اٹھائے موجِ فنا آ رہی ہے آج
موجِ حیات موت سے ٹکرا رہی ہے آج

کانوں میں زلزلوں کی دھمک آ رہی ہے آج
ہر چیز کائنات کی تھرا رہی ہے آج

جھپکا رہی ہے دیر سے آنکھیں ہوائے دہر
کون و مکاں کو نیند سی کچھ آ رہی ہے آج

ہر لفظ کے معانی و مطلب بدل چکے
ہر بات اور بات ہوئی جا رہی ہے آج

یکسر جہانِ حسن بھی بدلا ہؤا سا ہے
دنیائے عشق اور نظر آ رہی ہے آج

یہ داستانِ اجل ہے کہ تحریکِ غیب ہے
کیا شے ہوائے دہر کو سنکار رہی ہے آج

ابنائے دہر لیتے ہیں یوں سانس گرم و تیز
جینے میں جیسے دیر ہوئی جا رہی ہے آج

افلاک کی جبیں بھی شکن در شکن سی ہے
تیوری زمین کی بھی چڑھی جا رہی ہے آج

غزل ، ٤٦

پھر چھیڑتی ہے سوت حیاتِ فسردہ کو
پھر آتشِ خموش کو اُکسا رہی ہے آج

برہم سا کچھ مزاجِ عناصر ہے ان دنوں
اور کچھ طبیعت اپنی بھی گبھرا رہی ہے آج

اک موجِ دود سینے میں لرزاں ہے اس طرح
ناگن سی جیسے شیشے میں لہرا رہی ہے آج

بیتے جگوں کی چھاؤں ہے امروز پر فراق
ہر چیز اک فسانہ ہوئی جا رہی ہے آج

* * *

چار سُو پُرکیف اداسی ، آؤ کچھ باتیں کریں
رات جتنی رہ گئی ہو ، نیند پوری ہو چکی

*

کاروانوں کو وہ گمراہ نہ ہونے دے گی
عشق کی آخری منزل رسن و دار سہی

*

اُس انجمنِ ناز میں یوں کیسے چلے جائیں
ان سے کوئی کہہ دے کہ فراق آئے ہوئے ہیں

غزل ، ۴۷

(چ)

☆

دلوں کا سوز ترے روئے بے نقاب کی آنچ
تمام گرمیِ محفل ترے شباب کی آنچ

لہکتے سبزے میں ابرِ بہار کی مستی
دہکتے پھول میں چھلکی ہوئی شراب کی آنچ

چڑھا کے ساغر سے جگمگا اٹھے چہرے
سمٹ کے آ گئی سینوں میں آفتاب کی آنچ

پناہ مانگ رہی ہے ہری بھری دنیا
نہ پوچھ آہ دلِ خانماں خراب کی آنچ

سحر کی تازہ دمی ، چڑھتی دھوپ کی گرمی
تری نگاہ کی ٹھنڈک ، ترے شباب کی آنچ

یہ رات آگ لگا دے کہیں نہ دنیا میں
یہ چاندنی ، یہ ہوائیں ، یہ ماہتاب کی آنچ

شعاعیں پھوٹ کے جیسے فضا میں گم ہو جائیں
چھلکتے جام میں یہ چشمکِ حباب کی آنچ

سوارِ ابلقِ ایّام موسم گل ہے
چمن کے شعلے ہیں یا حلقۂ رکاب کی آنچ

یہ مہر و ماہ بھی اُڑتے ہوئے شرارے ہیں
کہ عرش تک ہے محبت کے پیچ و تاب کی آنچ

غزل ، ۴۸

سمیٹ رکھے ہیں روح القدس نے پر اپنے
پہنچ رہی ہے کہاں تک اس اضطراب کی آنچ

فراق وقت کے رخ سے اُلٹ رہی ہے نقاب
زمیں سے تا بفلک ہے اس انقلاب کی آنچ

* * *

کبھی سازِ طرب سن کے بھی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں
نوائے شاعرِ فطرت الم کی داستاں کیوں ہو

محبت کو حیاتِ محض ہو جانا ہی کافی ہے
محبت غمزدہ کیوں ہو ، محبت شادماں کیوں ہو

(ر)

☆

دنیائے اعتبار میں تو ھی نہیں ملا
یوں تو رسائیِ غمِ فرقت ھے دور دور

اے نرگسِ سیاہ تری وحشتیں بجا
خود مجھ سے اب جنونِ محبت ھے دور دور

دل سے تری قسم ، تجھے ھم پائیں یا نہ پائیں
لالچ ھے دور دور ، قناعت ھے دور دور

کیا بات ھے کہ پرسشِ پیہم کے باوجود
دل سے تری نگاہِ مروت ھے دور دور

معصومیِ نگاہ کی کیفیتیں تو دیکھ
پہنچی ھوئی اس آنکھ کی نیت ھے دور دور

تاریکیاں مجاز کی اکثر چمک گئیں
جلوہ فروز شمعِ حقیقت ھے دور دور

مٹ کر بھی ھم سمجھ نہ سکے جس کی نیتیں
سنتے ھیں اس نظر کی شکایت ھے دور دور

دنیا میں آج کوئی کسی کا نہیں رھا
اے لطفِ یار تیری ضرورت ھے دور دور

دیکھیں فراق عشق کی یہ کس مپرسیاں
اب درد دور دور ھے ، راحت ھے دور دور

غزل ، ۵۰

☆

ہو گئے دشمن اپنے لیل و نہار
تجھ پر اے عاشقی خدا کی سنوار

تو نے دیکھی شکست دشمن کی
اب ذرا اپنی فتح سے ہو دو چار

غمِ ساحل ہی تو نہیں سب کچھ
ڈوبنے والے ہاتھ پاؤں تو مار

اہلِ دنیا کی زندگی ہمدم
گر نہ بدلی تو زندگی بیکار

سونے والے کمر تو سیدھی ہو
نیند آئے نہ آئے پاؤں پسار

کتنی افسردہ ہے فضائے حیات
وہ دھندلکا ہے جس میں نور نہ نار

سوج نکلی لکیر ساحل کی
شور تھا کشتیوں میں بیڑا پار

جیسے مُردوں کو کوئی غم نہ خوشی
باغِ امروز میں خزاں نہ بہار

جنگِ عالم کا خاتمہ مت پوچھ
اک قیامت ہے آندھیوں کا آثار

قافلوں کے سکوں نما ہیں خرام
آ رہا ہے ہم اہلِ غم کا دیار

غزل ۵۱

اس خرابے میں ایک دن اے کاش
زندگی زندگی کی سنتی پکار

نرم گامیِ حسن کیا کہیے
یوں چلے جیسے آ رہا ہو پیار

میرے نغمے نہیں، یہ میں ہوں فراق
میری گفتار ہے مرا کردار

* * *

سنگ و آہن بے نیازِ غم نہیں
دیکھ ہر دیوار و در سے سر نہ مار

رات دن کیا خوابِ عقبیٰ دیکھنا
رہتی دنیا سے کبھی ہو لے دوچار

*

تیری بے وجہ رنجشوں کے نثار
آج بھی میں وہی ہوں بات تو کر

*

ہوائیں نیند کے کھیتوں سے جیسے آتی ہوں
یہاں سے دور نہیں ہے بہت وہ مقتلِ ناز

غزل ۵۲

☆

یہی دنیا ہے اس کی راہگزر
آسماں آسماں تلاش نہ کر

عشق جن منزلوں میں پھرتا ہے
زندگی بھی وہیں تھی خاک بسر

عرضِ الفت محال ہے لیکن
اے دل اک بار اور ہمت کر

کاروانِ حیات بے منزل
جانے درپیش ہے کہاں کا سفر

عشقِ نازک مزاج کو اے دوست
اب تو تیرا کرم بھی ہے دوبھر

ربطِ پنہاں اسی سے ہے اپنا
جو نگہ اٹھتی ہے ادھر کمتر

حضرتِ دل یہ اس کا کوچہ ہے
آپ نے بھی کہاں کیا بستر

"یہ دھواں سا کہاں سے اٹھتا ہے"
خاکِ دل میں دبی ہے آگ مگر

ہم کہاں ہیں کوئی سراغ تو دے
رکھتی ہے تیری آنکھ سب کی خبر

خانہ زادِ حیات ہے وہ بھی
موت بھی زیست کی ہے دست نگر

غم کی فرصت کہاں زمانے میں
آج رو لیں ترے لیے دم بھر

نگہِ ناز کا ہے طرفہ پیام
یعنی معصوم رہ گناہ بھی کر

یوں وہ کب مہرباں ہوتا تھا
آج بیتے دنوں کی یاد نہ کر

منتظر یوں ہے کائنات فراق
اٹھنے والی ہو جیسے اس کی نظر

غزل ، ۵۳

☆

حدِ دنیا عدم اور لامکاں دور
کچھ اس سے اور اے عمرِ رواں دور

اسیرو ! پھیر ہے قسمت کا ورنہ
قفس سے کس قدر ہے آشیاں دور

زمانہ چھپتا جاتا ہے نظر سے
لیے جاتی ہے یادِ رفتگاں دور

نصیبِ آرزو جو کچھ سنا دے
"نہیں" ہے دور اس لب سے نہ "ہاں" دور

زمانے میں نہ ڈھونڈھ اہلِ فنا کو
کہ ملتے ہیں نشانِ بے نشاں دور

کہاں تو اور کہاں غم خانۂ عشق
یہ کون آیا گمانِ بدگماں دور ؟

شبِ فرقت کے سناٹوں میں اکثر
صدا آتی ہے میں تجھ سے کہاں دور ؟

فراق اس کو وفا سے کد نہیں ہے
نہ لے جا اس قدر وہم و گماں دور

(غ)

☆

یہ نرم نرم ہوا جھلملا رہے ہیں چراغ
ترے خیال کی خوشبو سے بس رہے ہیں دماغ

دلوں کو تیرے تبسم کی یاد یوں آئی
کہ جگمگا اٹھیں جس طرح مندروں میں چراغ

وہ جن کے حال میں لَو دے اٹھے غمِ فردا
وہی ہیں انجمنِ زندگی کے چشم و چراغ

تمام شعلۂ گل ہے تمام موجِ بہار
کہ تا حدِ نگہِ شوق لہلہاتے ہیں باغ

نئی زمین ، نیا آسماں ، نئی دنیا
سنا تو ہے کہ محبت کو ان دنوں ہے فراغ

جو تہمتیں نہ اٹھیں اک جہاں سے ان کے سمیت
گناہ گارِ محبت نکل گئے بے داغ

جو چھپ کے تاروں کی آنکھوں سے پاؤں دھرتا ہے
اسی کے نقشِ کفِ پا سے جل اٹھے ہیں چراغ

جہانِ راز ہوئی جا رہی ہے آنکھ تری
کچھ اس طرح وہ دلوں کا لگا رہی ہے سراغ

زمانہ کود پڑا آگ میں یہی کہہ کر
کہ خون چاٹ کے ہو جائے گی یہ آگ بھی باغ

غزل ، ۵۵

نگاہیں مطلعِ نو پر ہیں ایک عالم کی
کہ مل رہا ہے کسی پھوٹتی کرن کا سراغ

دلوں میں داغِ محبت کا اب یہ عالم ہے
کہ جیسے نیند میں ڈوبے ہوں پچھلی رات چراغ

فراق بزمِ چراغاں ہے محفلِ رنداں
سجے ہیں پگھلی ہوئی آگ سے چھلکتے ایاغ

* * *

وہ عالم اور ہی ہے جس میں گہری نیند آتی ہے
خوشی اور غم میں سونے کے لیے راتیں نہیں ہوتیں

*

اک فسوں سامانِ نگاہِ آشنا کی دیر تھی
اس بھری دنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے

*

کہاں ہر ایک سے بارِ نشاط اُٹھتا ہے
بلائیں یہ بھی محبت کے سر گئی ہوں گی

(ق)

☆

ترا جمال بھی ہے آج اک جہانِ فراق
نگاہِ لطف و کرم خود ہے ترجمانِ فراق

فضا جہانِ محبت کی جن سے تھی رنگیں
تجھے بھی یاد کچھ آئے وہ شادمانِ فراق

نظر بچا کے جنھیں برقِ حُسن چھوڑ گئی
ملے نہ زخمِ نہاں میں بھی وہ نشانِ فراق

نگاہِ ناز تری تھی تمام قول و قسم
کسی کو ہو بھی نہ سکتا تھا کچھ گمانِ فراق

اُٹھے ہیں تیغِ تغافل کے کھول کر جوہر
نہ کیوں ہوں زندۂ جاوید کشتگانِ فراق

بتا تو کیا نگہِ اولیں کے بعد ہوا
مجھے بھی یاد ہے کم کم وہ داستانِ فراق

امید بن کے نہ آ ، بے دلوں کی دنیا میں
اسے سمجھ نہیں سکتے یہ بدگمانِ فراق

وہ بے قراریٔ دل وہ فضائے تنہائی
وہ سرزمینِ محبت وہ آسمانِ فراق

گدازِ دل سے حقیقت سرشکِ غم کی نہ پوچھ
ہر ایک قطرہ تھا اک بحرِ بیکرانِ فراق

غزل ، ۵۷

جسے مٹا نہ سکی برقِ کم نگاہیِ حسن
وہی امید کی دنیا ہے پاسبانِ فراق

خود آشنا نہیں ان سے حریمِ تنہائی
یہ سوز و ساز ہیں ناخواندہ میہمانِ فراق

سکونِ قرب سے کچھ بے قرار تنگ آ کر
سنا ہے ڈھونڈھتے پھرتے ہیں اب امانِ فراق

خبر کچھ اُن کو نہیں اب تیرے تغافل کی
بس آج چین سے سوئے بلا کشانِ فراق

جو ایک برقِ نگہِ سامنے سے کوند گئی
وہی تھی روحِ محبت وہی ہے جانِ فراق

* * *

ہوں بے نیازِ غم مگر اس دل کو کیا کروں
سارے جہاں کے درد میں شامل کہیں جسے

دھوکا نہ دے تجھے کہیں درماندگی مری
میں وہ شکستہ پا ہوں کہ منزل کہیں جسے

غزل ، ۵۸

(ک)

☆

عدم کی منزلیں بھی آ گئیں زیرِ قدم لیکن
زمیں سے اٹھ رہا ہے کاروانوں کا دھواں اب تک

بنائے جاتی ہے زہراب ہر اشکِ محبت کو
کئے جاتی ہے کام اپنا حیاتِ رائگاں اب تک

بھرم تیری نگاہوں کا نہ ٹوٹا ہے نہ ٹوٹے گا
وہی عین الیقیں اب تک وہی وہم و گماں اب تک

جنوں دھیما پڑا فرقت کی راتیں کٹ گئیں لیکن
فضاؤں میں ہے رقصاں بوئے گیسو کا دھواں اب تک

نظر کا آنسوؤں میں مسکرانا دل نہیں بھولا
چراغِ خانہ ہے آزردگیِ شادماں اب تک

وہ کچھ روٹھی ہوئی آواز میں تجدیدِ دلداری
نہیں بھولا مجھے وہ التفاتِ سرگرداں اب تک

غمِ دوراں کا بس نام آ گیا تھا باتوں باتوں میں
فراقِ اہلِ وفا سے وہ نظر ہے بدگماں اب تک

غزل ، ۵۹

☆

کچھ مضطرب سی عشق کی دنیا ہے آج تک
جیسے کہ حسن کو نہیں دیکھا ہے آج تک

یوں تو اداس غمکدۂ عشق ہے مگر
اس گھر میں اک چراغ سا جلتا ہے آج تک

جس کے خلوصِ عشق کے افسانے بن گئے
تجھ کو اسی سے رنجشِ بے جا ہے آج تک

پرچھائیاں نشاط و الم کی ہیں درمیاں
یعنی وصال و ہجر کا پردا ہے آج تک

ویرانیاں جہان کی آباد ہو چکیں
جز اک دیارِ عشق کہ سُونا ہے آج تک

ساری دلوں میں ہیں غمِ پنہاں کی کاوشیں
جاری کشاکشِ غمِ دنیا ہے آج تک

پورا بھی ہو کے جو کبھی پورا نہ ہو سکا
تیری نگاہ کا وہ تقاضا ہے آج تک

تو نے کبھی کیا تھا جدائی کا تذکرہ
دل کو وہی لگا ہؤا کھٹکا ہے آج تک

تا عمر یہ فراق بجا دل گرفتگی
پہلو میں کیا وہ درد بھی رکھا ہے آج تک!

غزل ، ٦٠

(گ)

☆

روکھے سوکھے حسن سے بھاگ ان پھولوں میں رس نہ پراگ *
کر کے دکھا کچھ ، لے کے نہ بیٹھ خوشی اور غم کا کھڑاگ
حسن ہی حسن بھری دنیا ہے عشق بھری دنیا کا سہاگ
کومل پاؤں پڑا ہے لیکن جیسے دھرتی جائے جاگ
ابلقِ دہر کے اسواروں کے ہاتھ سے چھوٹ گئی ہے باگ
پڑتی ہے نظمِ کہن میں دراڑ کھلتے ہیں دنیا کے بھاگ
پھولیں پھلیں سنسار میں عاشق بنا رہے دنیا کا سہاگ
عشق حسینوں میں بیٹھا ہے جیسے کوئی پرانا گھاگ
آنکھ کے اندھے ، گانٹھ کے پورے کیا کہنا ایسوں کے بھاگ
پریم کامنی رس کی پُتلی بھیتر ٹھنڈک باہر آگ
کھلا نگاہ سے دل کا حال تانت باجتے بُوجھا راگ

اگن کنڈ ہے سینہ فراق
دہڑ دہڑ جلتی ہے آگ

* زرگل

(م)

☆

داستانِ زندگی یکسر سنا سکتے تھے ہم
بزمِ ہستی تجھ کو آئینہ دکھا سکتے تھے ہم

کھا گئے اے وائے فردوسِ خیالی کا فریب
ورنہ اس دھرتی کو اک جنت بنا سکتے تھے ہم

اے نگاہِ آشنا کچھ کر گئی تو ہی کمی
عمرِ رفتہ کو ابھی واپس بلا سکتے تھے ہم

پردہ ہائے سازِ دل کو چھیڑ کر اے اہلِ بزم
آدمی کو آدمی کا غم سنا سکتے تھے ہم

آبرو والوں کو تھی درکار رسوائی تری
عشقِ رسوا راز تیرے سب چھپا سکتے تھے ہم

پنکھڑی دیکھی ہے اُن ہونٹوں کی اے اہلِ چمن
اس دو برگِ سرخ پر گلشن لٹا سکتے تھے ہم

ہے ازل سے جستجو جس کی شعورِ عشق کو
اس یقیں کے واسطے دھوکے بھی کھا سکتے تھے ہم

کیوں دلِ مہجور کو آئی اچانک تیری یاد
اور کچھ دیر اس کو باتوں میں لگا سکتے تھے ہم

کچھ جگایا تیرے غم نے کچھ مزاجِ عشق نے
آنکھ تھوڑی دیر فرقت میں لگا سکتے تھے ہم

غزل ، ۶۲

ضبط کرنے میں بڑے خدشے ہیں ورنہ ہم نشیں
دل سے اٹھتے درد کو دل میں دبا سکتے تھے ہم

شیخ و واعظ میں صلاحیت گناہوں کی بھی تھی
ان فرشتوں کو بھی تو انساں بنا سکتے تھے ہم

وہ حریمِ ناز یہ دل کا حریمِ راز ہے
چاہتے تو تجھ سے بھی تجھ کو چھپا سکتے تھے ہم

آ نہ دھوکوں میں ہماری تیرہ بختی کے ندیم
نور بن کر چشمِ ہستی میں سما سکتے تھے ہم

تلخیاں اے عشق تیرے تجربوں کی الاماں
سوچتے ہیں اکثر اب تو باز آ سکتے تھے ہم

اے نگاہِ ناز کچھ غفلت ہمیں سے ہو گئی
کچھ نہ کہنے پر بھی تیری بات پا سکتے تھے ہم

عشق کی ناکامیوں نے کیا غضب ڈھایا فراق
ورنہ اپنے دوسروں کے کام آ سکتے تھے ہم

* * *

کچھ اشارے تھے جنہیں دنیا سمجھ بیٹھے تھے ہم
اس نگاہِ آشنا کو کیا سمجھ بیٹھے تھے ہم

رفتہ رفتہ عشق مانوسِ جہاں ہونے لگا
خود کو تیرے ہجر میں تنہا سمجھ بیٹھے تھے ہم

غزل ، ٦٣

☆

(یہ غزل شامِ فراق کی محبوبہ کے پہلو بہ پہلو بیٹھ کر کہی گئی)

تری اوقات کیا اے عشقِ ناکام
اک آہِ بے اثر اک دردِ بے نام

خوشا رفتارِ معشوقِ گل اندام
درِ فردوس کھلتے ہیں بہرگام

جبینِ ناز پر قطرے عرق کے
ستارے جھلملاتے ہیں لبِ بام

نوائے راز سے بت خانے روشن
دیے جاتے ہیں لو لب ہائے اصنام

جسے جانِ حیا کہتی تھی دنیا
ہر اک کو کر گئی وہ آنکھ بدنام

وہ باتیں تیری چھٹکی چاندنی میں
چھلکتے تھے شبِ مہتاب میں جام

نئے سر سے جنم لیتی ہے دنیا
نیا ہے لیجیے جس دم ترا نام

کسک سی آ چلی ہے کچھ فضا میں
محبت کے چلے آتے ہیں ایام

خدا رکھے کبھی اے اُجڑے آغوش
یہاں رہتا تھا اک دیوانہ دل نام

غزل ، ٦۴

گرفتار ان کا ہے آج اک زمانہ
جو در سے لیتے ہیں دیوار کا کام

پہاڑ ایسی یہ راتیں زندگی کی
تو یاد آتا ہے اے عشقِ خود انجام

کبھی نم دیدہ دیوانے بھی ہوں گے
کبھی یاد آ ہی جائے گا ترا نام

ابھی تو فرق ہوش و نشہ میں ہے
ابھی یہ لب کہاں شائستہِ جام

فغاں سے جن کی آنکھوں میں کٹی رات
انھیں بھی آ گیا پچھلے کو آرام

وجودِ حیات بے محبت سر بسر موت
محبت زندگی کا دوسرا نام

ہو توفیقِ قبول اے عشق تجھ کو
نشاطِ نو بہ نو ہو یا ہوں آلام

یہ قولِ سیرگاہِ زندگی ہے
کہ ہر منظر ہے ان آنکھوں کا پیغام

مری شہرت پہ یاروں کو یہ ضد ہے
کہ اب تک کیوں رہا یہ شخص گمنام

جمالِ بے بدل سو رنگ بدلے
نگاہوں کو بس اپنے کام سے کام

خیالوں میں مضامیں کا اترنا
جمالِ ماہِ نور افشاں لبِ بام

غزل ، ٦٥

اک احساسِ کمی تھا زندگی کو
اسی غم کا محبت پڑ گیا نام

نہ پوچھو وصل کے اوقات کیا تھے
وہ جب آیا مرے گھر ہوگئی شام

مجھے کیا کام شعر و شاعری سے
یونہی لوگوں نے کر رکھا ہے بدنام

کسی کی یاد میں جی بھر کے رو لیں
ہمیں بھی آج اے دل کچھ نہیں کام

سکوتِ ناز سمجھے تھے جسے ہم
وہی اک بات آخر کر گئی کام

ترا مجرم گنہ گارِ جہاں بھی
جہاں اتنے وہاں اک اور الزام

فراق احساس کی ایسی ریاضت
حقیقی شاعری بھی ہے بڑا کام !

* * *

مجھے بھی کرتے ہیں کیا یاد بچھڑے دوست کہ میں
انھیں نہ بھول سکا ، یادِ رفتگاں کی قسم

غزل ، ٦٦

☆

سنجیدگی سے پونچھ کے آنکھوں سے اشکِ غم
کر لے حیاتِ عشق کو شائستۂ الم

کارِ مرقع ساز نہیں فنِ شاعری
لیتا ہے لفظ لفظ غزل میں نیا جنم

عین الیقیں کے ساتھ ، کہ ہوں حرفِ آخری
ہر شعر کہہ رہا ہے کہ اب توڑ دے قلم

آرام سے ہے کون زمانے میں اے ندیم
پھر بھی تو اس جہاں کا نہیں ٹوٹتا بھرم

وعدے ترے بجا ، ترے قول و قسم بجا
مجھ کو یقین ہی نہیں آتا ، تری قسم

گر فال دیکھنا ہے تو دیوانِ عشق کھول
ہر اک لکیر جس کی خطِ قسمتِ اُمم

اک بات تھی تری نگہِ فتنہ ساز میں
یوں تو کسی کی بات میں آتے نہیں تھے ہم

اک روز رنگ لائے نہ یہ عالمِ خیال
اک روز گل کھلائے نہ یہ ذوقِ کیف و کم

تھے وجد میں قضا و قدر بھی جہاں فراق
اُس بزمِ حال و قال سے آج آ رہے ہیں ہم

غزل ، ٦٧

☆

دیکھ محبت کا یہ عالم   ساز بھی کم کم ، سوز بھی کم کم
یاد ہے ان آنکھوں کا وہ عالم   مستی کم کم ، وحشت کم کم
ساکت ساکت شورشِ عالم   دل کی صدا بھی مدھم مدھم
عالم عالم عشق بھی تنہا   تنہا حسن بھی عالم عالم
زندہ دلی ہے ختم اُسی پر   جس نے خوشی میں ڈھونڈ لیا غم
عالمِ رنج و نشاط سے بڑھ جا   ان کے سوا ہیں اور بھی عالم
آہ فریبِ چشمِ توجہ   ایسا تغافل بھی ہو گا کم
یہ کیا کم ہے عشق کا حاصل   کچھ مجھ کو غم ، کچھ تجھ کو غم
غمکدۂ دل کا یہ دھندلکا   روشنی کم کم ، تیرگی کم کم
دل کی جراحت ، تیری محبت   ایسا زخم نہ ایسا مرہم
آتی بہاریں ، جاتی بہاریں   دونوں کا حاصل : دیدۂ پُرنم
عشق میں سچ ہی کا رونا ہے   جھوٹے نہیں تم ، جھوٹے نہیں ہم

هم نے بھی آج فراق کو دیکھا
سوزِ مکمل ، دردِ مجسم

غزل ۶۸

(ل)

☆

طبعِ مضطر سنبھل نہ جائے کہیں
دل میں یہ درد پل نہ جائے کہیں

آج دنیا میں ہے بڑی ہل چل
خوابِ ہستی کچل نہ جائے کہیں

غنچے غنچے کا پیرہن دمِ صبح
سو جگہ سے نکل نہ جائے کہیں

آج آثارِ دردِ دل ہیں کچھ اور
رات فرقت کی ڈھل نہ جائے کہیں

گھر کو گھر کا چراغ پھونک نہ دے
گل سے گلزار جل نہ جائے کہیں

تیز گردش سے ڈر ہے دورِ حیات
اپنے محور سے ٹل نہ جائے کہیں

خوب نبھتی ہے دل میں اور مجھ میں
ڈر ہے آپس میں چل نہ جائے کہیں

کشتۂ ہجرِ زندگی پہ فراق
موت بھی ہاتھ مل نہ جائے کہیں

غزل ، ٦٩

☆

بچھڑ گیا ہوں مگر کارواں سے دور نہیں
یہ خاک قافلۂ رفتگاں سے دور نہیں

زمیں سے دور نہیں ، آسماں سے دور نہیں
حریمِ غیب بھی کون و مکاں سے دور نہیں

وہ منزلیں مری جولاں گہِ محبت ہیں
جہاں زمان و مکاں لامکاں سے دور نہیں

تمام تر غمِ دنیا بنے غمِ جاناں
یہ معجزہ ترے لطفِ نہاں سے دور نہیں

سکوتِ غنچۂ لب ، رشکِ صد پیامِ وصال
تری نہیں سے قریں بھی ہے ، ہاں سے دور نہیں

اسی کو سینے سے اپنے لگائے پھرتا ہوں
وہ ایک غم جو غمِ رفتگاں سے دور نہیں

حریمِ راز کہاں ہے ، یہ بات بھی ہے راز
کوئی مقام سنا ہے وہاں سے دور نہیں

ترا کلام بھی خاموشیوں کا حامل ہے
مرا سکوت بھی لفظ و بیاں سے دور نہیں

یہ سوز و سازِ نہاں فاصلوں کا دشمن ہے
کوئی بھی غم ہو غمِ رفتگاں سے دور نہیں

فراق ازل سے بہاریں ہیں منتظر جس کی
وہ گلستاں مرے زخمِ نہاں سے دور نہیں

غزل ، ۷۰

☆

ہری بھری بھی ہو سکی دلوں کی سرزمیں کہیں
پڑی تری نگاہ بھی کبھی کبھی کہیں کہیں

اشارے کھل کے کر سکی نگاہِ شرمگیں کہیں
یہ سب سہی پہ ہو نہ ہو یہ بجلیاں گریں کہیں

یہ تیرگی یہ ابتری ، یہ نکہتیں یہ مستیاں
کہ کُھل پڑی ہو جس طرح وہ زلفِ عنبریں کہیں

مجھے بتا رہے ہیں بے نیازِ شوق و آگہی
تری نگاہ نے بھی یہ کہانیاں سنیں کہیں

بس ابتدا ہی ابتدا ہے زندگیِ عشق میں
کہ بھول بھی سکی تری نگاہِ اولیں کہیں

پڑی نگاہ دل پر اور بنائے دہر ہل گئی
کہیں تھی اور پہنچ گئی یہ موجِ تہ نشیں کہیں

کہاں یہ دورِ آسماں ، کہاں یہ نظمِ زندگی
ہزاروں ایسی محفلیں وہ آنکھیں لے اڑیں کہیں

غمِ نہاں کے عکس ہیں ، جراحتوں کے نقش ہیں
چمن چمن جہانِ رنگ و بو نہ ہوں ہمیں کہیں

کہیں تو داغِ سوزِ عشق روشن اور ہرے بھرے
دھواں دھواں ، اُداس اُداس وہ رُخِ حسیں کہیں

چمن کی رازداریوں کا اے صبا خیال کر
ارے لہو نہ دے اٹھے گلوں کی آستیں کہیں

غزل ، ۷۱

هم اہلِ درد کو کچھ ایسی وحشتیں نہیں مگر
کوئی دیارِ عافیت بتا نہ دو تمہیں کہیں

دل و جگر بچا کے تو نے جو دیے تھے عشق کو
وہ زخم اُبھر چلے کہیں، وہ چوٹیں رہ گئیں کہیں

معاملے نہ کھل سکے نگاہِ رنگ رنگ کے
ہے جلوت آفریں کہیں، ہے خلوت آفریں کہیں

اُسے گزرتے دیکھ کر جھپک کے آنکھ رہ گئی
شرارے اڑ گئے تھے کچھ ابھی یہیں کہیں

فراق زیرِ آسماں چمک بھی ہے، دھؤاں بھی ہے
کہ جیسے اٹھ رہی ہو وہ نگاہِ سرمگیں کہیں

* * *

مری نشست ہے زمیں خلا نہیں، ارم نہیں

آج بہت اداس ہوں یوں کوئی خاص غم نہیں

غزل ، ۷۲

☆

جمالِ یار تو ہے ماورائے لفظ و بیاں
جمالِ یار تری ترجماں نہیں ہے نہ ہاں

دمک اُٹھی ہے سراسر بشر کی پیشانی
چمک گئی مرے نغموں میں عظمتِ انساں

کوئی اگر اسے دیکھے تو دیکھتا رہ جائے
فرازِ زیست پہ یہ آنسوؤں کی کاہکشاں

خطوطِ جسم میں جیسے تہیں سی پڑتی ہوئی
جبیں سے تا کفِ پا تُو معانیِ پنہاں

کسے سناؤں میں رودادِ غم زمانے میں
سنی نہ تو نے تو ہے سب کے گوش و دل پہ گراں

ہمارے ذہن میں غلطاں نقوشِ مستقبل
ہماری فکر سے وابستہ تار و پودِ زماں

نہ پوچھ عشق میں نوعیتِ غمِ آفاق
میں دل میں سوچ رہا ہوں بشر ہوں یا یزداں

کھٹک رہا ہے مرے دل میں سازِ فردا کا
چھلک رہا ہے نگاہوں میں ساغرِ امکاں

وہ عارضی ہی سہی ، ہاں وہ مستعار سہی
ہیں زندگی کے نشانات تا حدِ امکاں

فدائے ملت و دیں یاد کر وہ تہذیبیں
گنا چکی ہے جنھیں وادیِ زمان و مکاں

یہ غلغلہ ، یہ سراسیمگی ، یہ بے تابی
کہ جیسے ڈھونڈ رہے ہوں کسی کو اہلِ جہاں

سکوتِ نیم شبی کے لبوں کو جنبش ہے
پہنچ گئی ہے تری داستاں کہاں سے کہاں

نوائے درد سے اس دکو سکون بخشے جا
حیات کیا ہے فراق ایک شورشِ پنہاں

* * *

اک جاتی ہوئی دنیا ، اک عالم حیرت ہے
ان دونوں کا مل جانا دنیائے محبت ہے

*

کہاں کا وصل ، تنہائی نے شاید بھیس بدلا ہے
ترے دم بھر کو مل جانے کو ہم بھی کیا سمجھتے ہیں

*

فراق غم بھی مرا ہے حریفِ زندہ دلی
فسردگی میں بھی یاروں کو چھیڑ سکتا ہوں

غزل ، ۴۷

☆

تا بہ عدم بھی نہیں ملتے نشاں   لے اُڑی وہ آنکھ دلوں کو کہاں
نسبتیں اس طرح بھریں عشق کی   جیسے اترتی ہیں چڑھی ندیاں
اہلِ طلب نے تجھے پایا ہے کب   اہلِ نظر نے تجھے دیکھا کہاں
حسن کے کچھ اور ہی خواب و خیال   عشق کے کچھ اور ہی وہم و گماں
رات گئے کیفیتِ حسنِ یار   خواب سے ملتی ہوئی بیداریاں
کیا نہ ملا ، کیا نہ گیا گانٹھ سے   پوچھ نہ کچھ عشق کے سود و زیاں
دام تو اُٹھے دلِ ناکارہ کے   بک تو گیا پوچھ نہ ارزاں گراں
جن سے پکارا تھا تجھے عشق نے   گونجتی ہیں آج بھی وہ وادیاں
ایسی مروت بھی گر اس میں نہیں!   ایسی محبت بھی اُسے تھی کہاں!
روٹھ کے رکھنا مرے کاندھے پہ سر   آہ ترا وہ کرمِ سرگراں

گرم ابھی خاکسترِ دل ہے فراق
آج بھی دیتا ہے یہ سینہ دھواں

غزل ، ۷۵

☆

اب تو ھو کم حسرتِ پس ماندگاں
دور گئے ، دور گئے کارواں

کچھ نہیں کہتیں وہ نگاھیں مگر
بات پہنچتی ھے کہاں سے کہاں

روپ کا رہ رہ کے جھلک مارنا
پھولوں سے جس طرح اڑیں تتلیاں

اپنی جگہ عشق اُجڑتا رہا
اپنی جگہ بستی رھیں بستیاں

آ نہ گئی ، آ نہ گئی تیری یاد
چھا نہ گئیں ، چھا نہ گئیں بدلیاں

دے ھی گیا ایک پیامِ سکوں
دیر سے چھایا ھؤا غم کا سماں

پار ھؤا ، پار ھؤا بحرِ غم
ڈوب چلیں ، ڈوب چلیں کشتیاں

رات کی آنکھیں بھی جھپکنے لگیں
کون سنے درد بھری داستاں

پوری اکائی ھے محبت فراق
بحثِ جز و کل نہیں چلتی یہاں

غزل ، ۷۶

☆

موجِ صبا کی پوچھ نہ سفاک دستیاں
ڈوبی ہوئی ہیں خون میں پھولوں کی بستیاں

مستی ہو یا خمار ہو ، کر مے پرستیاں
بے سود رفعتیں ہیں نہ بے کار پستیاں

اے دوست کچھ تو سوچ کہ دنیا بدل گئی
اب اس قدر نہ ہوش نہ اس درجہ مستیاں

شاید مرے سوا کوئی اس کو سمجھ سکے
کس طرح اک نظر سے بدلتی ہیں ہستیاں

اے کاروانِ راحت و غم ، دل ہے وہ مقام
دن رات جس دیار میں لٹتی ہیں بستیاں

غم کشتگانِ عشق سے اتنا نہ کر گریز
کچھ کام آ رہیں گی یہ بے کار ہستیاں

آوازِ پائے ناز کو بھی مدتیں ہوئیں
سُونی پڑی ہیں کب سے ترے غم کی بستیاں

دونوں سے بے نیاز ہوں ، کیا موت کیا حیات
ہیں رشکِ صد نشاط مری غم پرستیاں

اس جیبِ تار تار کو خالی نہ جاننا
بستی ہیں بے خودوں کے گریباں میں بستیاں

سنتے ہیں حسن درد کی تصویر ہو چلا
کچھ لا چلی ہیں رنگ مری غم پرستیاں

غزل ۷۷

کب ہم‌خیالِ عشق ہوا حسنِ بدگماں
گو خود پرستیاں تھیں مری حق پرستیاں

اب یادِ رفتگاں کی بھی ہمت نہیں رہی
یاروں نے کتنی دور بسائی ہیں بستیاں

اس کی نگاہِ ناز کی کیا بات ہے فراق
دامن میں ہوش ہے تو گریباں میں مستیاں

* * *

کسی کا پوچھنا کیا کام ہم کو گھر بلانے سے
کوئی ہم سے نہ پوچھے اب ہم اس کو کیا سمجھتے ہیں

*

کیا ہے سیرگہِ زندگی میں رخ جس سمت
ترے خیال سے ٹکرا کے رہ گیا ہوں میں

*

یہ کھل کے ملنا ترا جان لے کے چھوڑے گا
غضب ہؤا کہ تری بدگمانیاں نہ رہیں

غزل ۸۷

☆

ہو کر عیاں وہ خود کو چھپائے ہوئے سے ہیں
اہلِ نظر یہ چوٹ بھی کھائے ہوئے سے ہیں

اہلِ وفا دلوں کو بسائے ہوئے سے ہیں
دونوں جہاں کے درد اُٹھائے ہوئے سے ہیں

یہ مہر و ماہ گردِ سرِ راہ ہیں جہاں
ہم اس گلی کی خاک اُڑائے ہوئے سے ہیں

صبحِ ازل کو یونہی ذرا مل گئی تھی آنکھ
وہ آج تک نگاہیں چرائے ہوئے سے ہیں

وہ سر بسر نہاں ، وہ زسر تا قدم حجاب
پھر بھی ہر اک نظر میں سمائے ہوئے سے ہیں

شاید کچھ اس میں شوخیِ بیگانگی بھی ہو
ربطِ نہاں وہ آج بڑھائے ہوئے سے ہیں

یوں تو بجھے ہوئے سے ہیں گم گشتگانِ عشق
تیری نظر کی چوٹ بھی کھائے ہوئے سے ہیں

ہم بدگمانِ عشق تری بزمِ ناز سے
جا کر بھی تیرے سامنے آئے ہوئے سے ہیں

سنتے ہیں با خبر بھی ہیں تیرے ادا شناس
در پردہ کچھ فریب بھی کھائے ہوئے سے ہیں

یہ قرب و بعد بھی ہیں سراسر فریبِ حُسن
وہ آ کے بھی فراق نہ آئے ہوئے سے ہیں

غزل ۹۷

تلوار سی جو تابشِ پنہاں ہے حسن کی
عشاق بھی لہو میں نہائے ہوئے سے ہیں

اکثر سکوتِ ہجر میں گر غور سے سنیں
آتی ہیں یہ صدائیں ہم آئے ہوئے سے ہیں

ہم بدگمانِ عشق بھی کچھ اے سکوتِ ناز
سنتے ہیں تیری باتوں میں آئے ہوئے سے ہیں

بہلا رہے ہیں عشق کے احساس کو فراق
دل سے کسی کی یاد بھلائے ہوئے سے ہیں

* * *

کہتے ہو حسنِ یار میں بوئے وفا نہیں
اچھی طرح فراق ابھی دل دکھا نہیں

خونِ شہیدِ عشق کا آج ہے زیبِ داستاں
نعرۂ انقلاب ہے ماتمِ رفتگاں نہیں

غزل ، ۸۰

☆

پھر سیاہ زلفوں کی یادیں آئیاں
پھر مرے دل پر گھٹائیں چھائیاں

اے نگاہِ شوق تجھ کو کیا کہوں
آج وہ آنکھیں بہت شرمائیاں

بال اس کا ہے کمندِ مہر و ماہ
گیسوئے پرپیچ کی گہرائیاں

دل کسی صورت نہ بہلا ، یوں تو میں
داستانیں غم کی بھی دہرائیاں

حسن کو بھی اب نہیں اے دل قرار
آج تو تُونے قیامت ڈھائیاں

وہ شروعِ عشق کی باپردگی
اور اب یہ خواریاں ، رسوائیاں

جن کو ہم اک عمر تک بھولے رہے
آج وہ باتیں بہت یاد آئیاں

سب دلی چوٹیں اُبھر آئی ہیں جب
تیری یادوں کی چلیں پروائیاں

صد مکان و لامکاں ہیں جس میں بند
ایک ذرہ خاک کی پنہائیاں

ڈوبیے تو ڈوبتے ہی جائیے
ان سیہ آنکھوں کی اُف گہرائیاں

غزل ۸۱

زندگی ہے یا کوئی دشتِ جنوں
ہر طرف تنہائیاں ، تنہائیاں

سوچتا ہوں میں تری یادیں نہ ہوں
گزری ہیں نظروں سے کچھ پرچھائیاں

مجھ سے یہ باتیں دمِ فکرِ سخن
کس لبِ خاموش نے کہلائیاں

موت بھی اس راز سے ہے بے خبر
کتنی جانیں عشق میں کام آئیاں

جن میں تھا کچھ امتزاجِ صلح و جنگ
مجھ کو کیا کیا وہ ادائیں بھائیاں

زندگی میں اب کہاں وہ دل کشی
اب کہاں وہ موت کی رعنائیاں

دیکھ آئے آج یادوں کا نگر
ہر طرف پرچھائیاں ، پرچھائیاں

کھل چکیں گرہیں شبِ غم کی فراق
انگلیاں تاروں نے جب چٹخائیاں

* * *

اُس کو نہ ہوائیں چھو سکیں گی
جو شمعِ سخن جلا گیا ہوں

غزل ، ۸۲

☆

حیات ھی نہ ھو معراجِ آب و رنگِ زمیں
مرا وجود بھی میرا وجود ھے کہ نہیں

جنھیں ازل سے نہ راس آئے آسمان و زمیں
بہت ھے ایسوں کو فردوسِ وعدہ کی تسکیں

لبِ نگار ھیں یا نغمۂ بہار کی لو
سکوتِ ناز ھے یا کوئی مطلبِ رنگیں

اگر بدل نہ دیا آدمی نے دنیا کو
تو جان لو کہ یہاں آدمی کی خیر نہیں

ھماری زندگیِ عشق کا وہ پہلا خواب
تمھیں بھی بھول چکا ھے ، ھمیں بھی یاد نہیں

ھر انقلاب کے بعد آدمی سمجھتا ھے
کہ اس کے بعد نہ پھر لے گی کروٹیں یہ زمیں

کریں گے حسن کو کیا بس میں عقل کے بندے
نظر میں جذب نہیں کچھ ، دلوں میں درد نہیں

بہت نہ بےکسیِ عشق پر کوئی روئے
کہ حسن کا بھی زمانے میں کوئی دوست نہیں

نیا زمانہ ، نئی زندگی ، نئی دنیا
نئے سرے سے بنیں حسن و عشق کے آئیں

ھر اک ابد کا مسافر ، ھر ایک خانہ بدوش
سرِ دیارِ محبت کوئی مکاں نہ مکیں

غزل ۸۳

ہیں اہلِ مرتبہ مائل بہ پستیِ معکوس
اُبھارتے ہیں زمانے کو چند خاک نشیں

سرے سے مٹ گئے نقش و نگارِ بزمِ جہاں
وہ حسن و عشق کے ملنے کی صورتیں نہ رہیں

نہ پوچھ کس کا ہے اب سامنا محبت کو
بغل میں قلبِ حزیں ہے نہ شاہدِ رنگیں

اگر تلاش کریں ، کیا نہیں ہے دنیا میں ؟
جز ایک زندگی کی طرح زندگی ، کہ نہیں

وہ حسن ، عالمِ نیرنگ کی جو ہو تصویر
نظر وہ ، بات کو لے جائے جو کہیں سے کہیں

جنھیں سمجھتے تھے ہم دورِ جاوداں کے حریف
وہ دن تمام ہوئے ، اور وہ راتیں بیت گئیں

عمل تو وہ ، جو قضا و قدر کو بس میں کرے
دعا تو وہ کہ مقدر بھی کہہ اٹھے : ”آمیں“

مسافرانِ رہِ عشق کا خدا حافظ !
نہ کوئی رہبرِ دنیا نہ کوئی رہبرِ دیں

مجھے بھی بے خبری تھی بوقتِ عہدِ وفا
تمھیں بھی ہوش نہ تھا میں نے سچ کہا کہ نہیں

ہوئے وہ جلوہ نما بھی تو کیا سے کیا ہو کر
پڑی نگاہِ پریشاں بھی تو کہیں کی کہیں

فراق عشق ہی ایسے میں آڑے آئے تو آئے
حیات نیزہ سنبھالے ہوئے ، اجل بہ کمیں

غزل ، ۸۴

☆

ایک شبِ غم وہ بھی تھی جس میں جی بھر آئے تو اشک بہائیں
ایک شبِ غم یہ بھی ہے جس میں اے دل رو رو کے سو جائیں

جانے والا گھر جائے گا ، کاش یہ پہلے سوچا ہوتا
ہم تو منتظر اس کے تھے بس کب ملنے کی گھڑیاں آئیں

الگ الگ بہتی رہتی ہے ہر پرانی کی جیون دھارا
دیکھ ملیں کب آج کے بچھڑے ، لے لوں بڑھ کے تیری بلائیں

سنتے ہیں کچھ رو لینے سے جی ہلکا ہو جاتا ہے
شاید تھوڑی دیر برس کر چھٹ جائیں کچھ غم کی گھٹائیں

اپنے دل سے غافل رہنا اہلِ عشق کا کام نہیں
حسن بھی ہے جس کی پرچھائیں آج وہ من کی جوت جگائیں

سب کو اپنے اپنے دکھ ہیں ، سب کو اپنی اپنی پڑی ہے
اے دلِ غمگیں تیری کہانی کون سنے گا ، کس کو سنائیں

ہاں ہاں تجھ کو دیکھ رہا ہوں ، کیا جلوہ ہے کیا پردہ ہے
دل دے نظارے کی گواہی اور یہ آنکھیں قسمیں کھائیں

لفظوں میں چہرے نظر آئیں گے ، چشمِ بینا کی ہے شرط
کئی زاویوں سے خلقت کو شعر مرے آئینہ دکھائیں

مجھ کو گناہ و ثواب سے مطلب ! لیکن عشق میں اکثر آئے
وہ لمحے خود میری ہستی جیسے مجھے دیتی ہو دعائیں

کتنی نرم تھیں ، کتنی ٹھنڈی ، کتنی سہانی ، کتنی سہج
اُن رس میں ڈوبے ہونٹوں کے نیم تبسّم کی وہ شعاعیں

غزل ، ۸۵

باتیں اُس کی یاد آتی ہیں لیکن ہم پر یہ نہیں کھلتا
کن باتوں پر اشک بہائیں کن باتوں سے جی بہلائیں

اہلِ مسافت ایک رات کا یہ بھی ساتھ غنیمت ہے
کوچ کرو تو صدا دے دینا ہم نہ کہیں سوتے رہ جائیں

ایک غزالِ رم خوردہ کا منہ پھیرے ایسے میں گزرنا
جب سہکی ہوئی ٹھنڈی ہوائیں دن ڈوبے آنکھیں جھپکائیں

سوزوں کر کے سستے جذبے منڈی منڈی بیچ رہے ہیں
ہم بھی خریدیں جو یہ سخنور اک دن ایسی غزل کہہ لائیں

رات چلی ہے جوگن ہو کر بال سنوارے لٹ چھٹکائے
چھپے فراق گگن پر تارے دیپ بجھے ، ہم بھی سو جائیں

* * *

کہاں تک اُس کو دیکھیے ، کہاں تک اُس کو چاہیے
کہ بھر چکی ہیں نیتیں ، نکل چکیں ہیں حسرتیں

*

حسن سرتاپا تمنّا ، عشق سرتاپا غرور
اس کا اندازہ نیاز و ناز سے ہوتا نہیں

غزل ، ۸٦

☆

جولاں گہِ حیات کہیں ختم ہی نہیں
منزل نہ کر ، حدود سے دنیا بنی نہیں

مانا کہ تیرے لطف و کرم میں کمی نہیں
آسان اس قدر تو تری دوستی نہیں

جس پیکرِ نشاط کی رگ رگ دکھی نہیں
اُس کی خوشی کو غور سے دیکھو خوشی نہیں

ہم دیکھ کر بھی دیکھ سکیں حسنِ یار کو
اتنی طویل فرصتِ نظارگی نہیں

کب دیکھیے دلوں کو ملے اذنِ یاس بھی
بیگانہ‌وار کہتی ہے وہ آنکھ ابھی نہیں

تیرے کرم سے بھی نہ ہوئی کم فسردگی
شاید تری خوشی بھی ہماری خوشی نہیں

تاریخِ زندگی کے سمجھ کچھ محرکات
مجبور اتنی عشق کی بے چارگی نہیں

حساس کم نہیں ہے محبت بھی ، اور یوں
اس کو غم و نشاط سے دل بستگی نہیں

بے خود سے تھے تو وقت کا یہ بھی فریب تھا
ہم اور تجھ کو دل سے بھلا دیں ، کبھی نہیں

تکلیفِ ہجر کو نہ بنا عیشِ جاوداں
غم کی شبِ دراز بھی اتنی بڑی نہیں

غزل ، ۸۷

نیند آ چلی ہے انجمِ شامِ ابد کو بھی
آنکھ اہلِ انتظار کی اب تک لگی نہیں

اے عشق کاروانِ دو عالم بچھڑ گئے
اے خضرِ راہ یہ تو کوئی رہبری نہیں

یہ کیفیت سکونِ سحر میں کہاں کی ہے
وہ شام ہے جو صبح بھی ہو کر کٹی نہیں

شامیں کسی کو مانگتی ہیں آج بھی فراق
گو زندگی میں یوں مجھے کوئی کمی نہیں

زہرابۂ فنا جسے نشو و نما نہ دے
وہ زندگی فراق کوئی زندگی نہیں

* * *

بچھڑے ہوؤں کو دھیان ہزاروں طرح کے ہیں
دل محوِ نالۂ جرسِ کارواں نہیں

*

ترے جمال کی تنہائیوں کا دھیان نہ تھا
میں سوچتا تھا مرا کوئی غمگسار نہیں

غزل ، ۸۸

☆

خود کو کھویا بھی کہاں عشق کو پایا بھی کہاں
ختم ہو دیکھیے تیرا سر و سودا بھی کہاں

رنج و راحت سے بہت دور ہے عشقِ مجبور
آج پہنچی ہے تری رنجشِ بے جا بھی کہاں

نام بدنام ہؤا مفت میں بدنامی کا
ہو سکا کوئی ترے عشق میں رسوا بھی کہاں

مشکلیں عشق کی پا کر بھی تجھے کم نہ ہوئیں
اتنا آسان ترے ہجر کا غم تھا بھی کہاں

یہ بھی سچ ہے کہ ترے جور نہیں کچھ ایسے
یہ بھی سچ ہے کہ محبت کا زمانہ بھی کہاں

میں یہ کہتا ہوں کہ افلاک سے اونچا ہوں بہت
عشق کہتا ہے ابھی دردِ دل اُٹھا بھی کہاں

چھوٹ پڑتی ہے سرِ عرش بریں کوسوں تک
آج چمکا ہے ترا حسنِ خود آرا بھی کہاں

اہلِ دل حسن پر الزامِ ستم کیا دھرتے
اُس کا پیمانِ وفا یاد اُنھیں آتا بھی کہاں

کاوشیں زندگی و موت کی سچ ہے ، نہ گئیں
درد وہ تیری نگاہوں نے اُٹھایا بھی کہاں

ہم نے مانا کہ غمِ ہجر بھی دھوکا ہے فراق
اور اگر غور کریں دل میں تو دھوکا بھی کہاں

غزل ، ۸۹

☆

تو ہے سر بسر کوئی داستاں ، ہے عجیب عالمِ انجمن
یہ نگاہِ ناز زباں زباں ، یہ سکوتِ ناز سخن سخن

نہ زیادہ ظرف سے دے نہ کم کہ ہیں ہاتھ اُس کے جچے تلے
وہی آنکھ ضامنِ ہوش بھی ، وہی آنکھ ساقیِ انجمن

وہ تمام روئے نگار ہے ، وہ تمام بوس و کنار ہے
وہ ہے چہرہ چہرہ جو دیکھیے ، وہ ہے چومیے تو دہن دہن

یہ خیالِ محفلِ دوستاں ، کسی اجنبی کا ہے یہ بیاں
وہ جہاں نہ سمجھیں مری زباں ، وہی قسمتوں سے ملا وطن

بہ کمالِ جذبِ دلِ تپاں ، کبھی بدلے گردشِ آسماں
کوئی صبح روئے چمن چمن ، کوئی شام زلفِ شکن شکن

کفِ پا سے تا سرِ نازنیں ، کئی آنکھیں کھلتی جھپکتی ہیں
کہ تمام مسکنِ آہواں ، ہے دمِ خمار ترا بدن

کبھی دادِ شوق نہ دے سکا مرے دل کو پرتوِ دلبری
کہ لرز گیا ہے یہ آئینہ جو لچک گئی ہے کوئی کرن

کوئی میری آنکھوں سے دیکھتا تری بزمِ ناز کی وسعتیں
وہ ہر ایک گوشہ مکاں مکاں ، وہ ہر ایک لمحہ زمن زمن

مرے دوستوں کو معمہ ہے مری نور و نار کی زندگی
جو اُدھر چراغِ حرم کی لو تو ادھر بھی کفر ہے شعلہ زن

جسے ڈس لیا ہے زمانے نے کوئی زندگی ہے یہ زندگی
یہ سوادِ شام اجل نما ، یہ ضیائے صبح کفن کفن

غزل ، ۹۰

تجھے منزلیں بھی ہیں رہگذر ، مجھے رہگذر میں بھی منزلیں
یہی فرق ہے مرے ہمسفر ، وہ ترا چلن ہے یہ مرا چلن

مری ہر غزل کو یہ آرزو تجھے سج سجا کے نکالیے
مری فکر ہو ترا آئینہ ، مرے نغمے ہوں ترا پیرہن

کبھی پچھلی رات کو دیکھ لے کسی سانس لیتے چراغ کو
کہ غزل ہوئی تو رگوں میں ہے وہی خستگی سی وہی تھکن

یہ اداس اداس بجھی بجھی ، کوئی زندگی ہے فراق کی
مگر آج کشتِ سخنوری ہے اُسی کے دم سے چمن چمن

* * *

تو مخاطب بھی ہے قریب بھی ہے
تجھ کو دیکھوں کہ تجھ سے پیار کروں

*

وہ نہ آئیں گے تو فراق ہمیں
کام ہی کیا ہے انتظار کریں

غزل ، ۹۱

☆

اس سکوتِ فضا میں کھو جائیں
آسمانوں کے راز ہو جائیں

حال سب کا جدا جدا ہی سہی
کس پہ ہنس جائیں کس پہ رو جائیں

راہ میں آنے والی نسلوں کے
خیر کانٹے تو ہم نہ بو جائیں

آؤ اس تنگنائے دنیا کی
وسعتِ بیکراں میں کھو جائیں

زندگی کیا ہے؟ آج اسے اے دوست
سوچ لیں اور اُداس ہو جائیں

رات آئی فراق! دوست نہیں
کس سے کہیے کہ "آؤ سو جائیں"

* * *

سرخوشی میں بھی چونک اُٹھتا ہوں
تیرے غم کی نشانیاں نہ گئیں

غزل ، ۹۲

☆

ولی و میر و غالب بھی چراغِ راہ تھے لیکن
وہ نکلے اول اول ، آخر آخر ھم نکلتے ھیں

ھمیں خاطر میں لاتے ھی کہاں تھے اھلِ میخانہ
تواضع کو ھمارے آج جامِ جم نکلتے ھیں

مقامِ عشق کا اندازہ بس اس بات سے کر لے
زمینِ دل کے ذرے آسمانِ غم نکلتے ھیں

ادب سے رھگزارِ زندگی کی سیر لازم ھے
نگاھیں روبرو ــ شائستگانِ غم نکلتے ھیں

لگائے حکم کون ان پر کہ عالم گومگو کا ھے
پیامِ زیست کچھ واضح تو کچھ مبہم نکلتے ھیں

ابھی مشاطگی جاری ھے دستِ غیب قدرت کی
ابھی تک گیسوئے ھستی کے پیچ و خم نکلتے ھیں

بجائے سنگ و آھن جو بنے ھوں چند خوابوں سے
وہ تعمیری عمل اے دوست مستحکم نکلتے ھیں

وھی چشم و چراغِ گلشنِ ایجاد ھیں اے دل
وہ کچھ شعلے جو زیرِ چادرِ شبنم نکلتے ھیں

وھیں سے سیر کر لیتے ھیں رنگا رنگ دنیا کی
فراق اب اپنے حجرے سے سنا ھے کم نکلتے ھیں

غزل ۹۳

☆

یہ سرمئی فضاؤں کی کچھ کنمناہٹیں
ملتی ہیں مجھ کو پچھلے پہر تیری آہٹیں

اے جسمِ نازنینِ نگارِ نظر نواز
صبحِ شبِ وصال تری ملگجاہٹیں

پڑتی ہے آسمانِ محبت پہ چھوٹ سی
بل بے جبینِ ناز تری جگمگاہٹیں

چشمِ سیہ تبسمِ پنہاں لیے ہوئے
پو پھوٹنے سے قبل آفق کی آداہٹیں

جھونکوں کی نذر ہے چمنِ انتظارِ دوست
بادِ امید و بیم کی یہ سنسناہٹیں

کس دیس کو سدھار گئیں اے جمالِ یار
رنگیں لبوں پہ کھیل کے کچھ مسکراہٹیں

رخسارِ تر سے تازہ ہو باغِ عدن کی یاد
اور اُس کی پہلی صبح کی وہ رسمساہٹیں

آزردگیِ حسن بھی کس درجہ شوخ ہے
اشکوں میں تیرتی ہوئی کچھ مسکراہٹیں

ہونے لگا ہوں خود سے قریں اے شبِ الم
میں پا رہا ہوں ہجر میں کچھ اپنی آہٹیں

میری غزل کی جان سمجھنا انھیں فراق
شمعِ خیالِ یار کی یہ تھرتھراہٹیں

غزل ، ۹۴

☆

ہر آستانِ سرِ رہگزر کو دیکھتے ہیں
ترے خرامِ قیامت اثر کو دیکھتے ہیں

زمانے بھر میں محبت کا نام روشن ہے
اسی چراغِ سرِ رہگزر کو دیکھتے ہیں

نہ سرد ہو سکے آتش کدے محبت کے
بجھے دلوں میں بھی رقصِ شرر کو دیکھتے ہیں

فراقِ یار کی تجدید صبحِ کاذب ہے
غمِ دراز و شبِ مختصر کو دیکھتے ہیں

غبارِ راہگزر کارواں سے آگے ہے
سفر کو دیکھ کے اہلِ سفر کو دیکھتے ہیں

کہیں نہ چونک اُٹھیں غفلتیں محبت کی
بچا بچا کے دلِ بے خبر کو دیکھتے ہیں

خوشا بیانِ تمنّا کہ اب ہے قرب بھی ُبعد
کدھر کو دیکھ رہے تھے کدھر کو دیکھتے ہیں

سرے سے چِھڑ گئی ہے دلِ وجود و عدم
کہاں کہاں نگہِ کارگر کو دیکھتے ہیں

سفید پھول زمیں پر برس پڑیں جیسے
فضا میں کیفِ سحر ہے جدھر کو دیکھتے ہیں

ابھی تو اپنی خبر بھی نہیں اسیروں کو
ابھی تو سختیِ دیوار و در کو دیکھتے ہیں

غزل ۹۵

ابھی تو سوچیں گے ہم دردِ لادوا کا علاج
ابھی تو بے خودیِ چارہ گر کو دیکھتے ہیں

ابھی تو حدِ نظر مہر و ماہ و انجم ہیں
ابھی تو گردِ سرِ رہگزر کو دیکھتے ہیں

ابھی تو قلب و جگر کی خبر کسی کو نہیں
ابھی تو لوگ کسی کی نظر کو دیکھتے ہیں

ابھی تو قافلے کچھ دن رہیں گے سرگرداں
ابھی تو گمرہیِ راہبر کو دیکھتے ہیں

ابھی حیات کو مجبوریوں کا دھوکا ہے
ابھی فریبِ قضا و قدر کو دیکھتے ہیں

کسی کی آنکھ میں ملتے ہیں دونوں وقت فراق
ہم اک نگاہ میں شام و سحر کو دیکھتے ہیں

* * *

منزلیں کاٹتی ہے دور کی تاروں بھری رات
کس لیے لوگ اسے آبلہ پا کہتے ہیں

تیری آنکھوں نے سنی بات سنا دی لیکن
اسی مضمون کو ہم لوگ نیا کہتے ہیں

غزل ، ۹۶

☆

عشق کی دنیا بھی وہ دنیا نہیں
اب تو تیرا درد بھی اُتنا نہیں

اہلِ غم کو تیرا پیمانِ وفا
یاد تو کیا ہے مگر بھولا نہیں

قافلے یا سٹ گئے یا بڑھ گئے
اب غبارِ راہ بھی اُٹھتا نہیں

اور کوئی بات ہے وجہِ سکوت
عشق کو تجھ سے کوئی پردا نہیں

تا ابد امروز ہی امروز ہے
عاشقی میں دوش اور فردا نہیں

خوش بھی ہولیتے ہیں تیرے بیقرار
غم ہی غم ہو عشق میں ایسا نہیں

موت کا اُف وہ پیامِ زندگی
ایک دنیا نے جسے سمجھا نہیں

درد ہی تو ہے محبت ہی تو ہے
راز ہی تو ہے اگر کھلتا نہیں

زندگی اے دوست غم کا نام ہے
یہ تو شاید شکوۂ بے جا نہیں

ماورائے درد و راحت ہے وفا
پر کوئی حساس بھی اتنا نہیں

ہاتھ ملتے ہیں خدا اور اہرمن
تیرا عاشق دین و دنیا کا نہیں

سائلِ بے داد وہ کب تھا فراق
تو نے اُس کو غور سے دیکھا نہیں

☆

کسی سے چھوٹ کے شاد اور کسی سے مل کے غمیں
فراق تیری محبت کا کوئی ٹھیک نہیں

اسی متاعِ محبت سے دل ہے مالا مال
بس ایک دردِ نہاں ، اک غمِ نشاط آگیں

ہزار شکر کہ مایوس کر دیا تو نے
یہ اور بات کہ تجھ سے بھی کچھ امیدیں تھیں

الگ نہیں مری دنیا ، خبر ہے گو مجھ کو
زمانے اور بھلے آدمی کا ساتھ نہیں

چراغِ دیدہ و دل ہے سوادِ منزلِ دوست
یہ روشنی بھی دھؤاں بن کے اُڑ نہ جائے کہیں

کچھ اور حسرتِ پس ماندگاں نہ بڑھ جائے
جرس کی بانگ ہی کھوٹی کرے نہ راہ کہیں

مزاجِ عشق کو لازم ہے اب بدل جانا
کہ کچھ دنوں سے تو سنتے ہیں حسن بھی ہے حزیں

مجھے یہ فکر کہ جو بات ہو مدلل ہو
وہاں یہ حال کہ بس ہاں تو ہاں ، نہیں تو نہیں

تجھے بتائے اگر کوئی آنکھ والا ہو
کہ یہ زمیں بھی چمکتا ستارہ ہے کہ نہیں

یونہی سا تھا کوئی جس نے مجھے مٹا ڈالا
نہ کوئی نور کا ُپتلا ، نہ کوئی زہرہ جبیں

ھنر تو خیر ھنر ، عیب سے بھی جلتے ھیں
فغاں کہ اھلِ زمانہ ھیں کس قدر کم بیں

تھی شہر شہر زمانے میں جن کی رسوائی
فراق تھے وھی ناموسِ زندگی کے امیں

* * *

ھم بھی خوش تھے، تم بھی تھے شاداں ، رات رہے تک جاگے تھے
آنکھ لگی تو خواب یہ دیکھا : ھم بھی دکھی تم بھی غمگیں

*

مرے شعر نغمۂ ساز ھیں ، یہ کمالِ سوز و گداز ھیں
یہ تمام سایۂ راز ھیں ، نہ زباں نہ حرفِ بیاں کے ھیں

نہ یہ کہہ کہ صبر محال ھے ، غمِ عشق خواب و خیال ھے
جو بچھڑ کے ان سے یہ حال ھے ، ارے دل وہ ایسے کہاں کے ھیں

غزل ، ۹۹

☆

یہ شاعری ہے مری جاں وہ علم دریاؤ
سمندروں کو کرے غرق جو کناروں میں

انھیں زمینِ غزل پر اتار لایا ہوں
جو شب کو ہوتی ہیں کیفیتیں ستاروں میں

یہ گرد بادِ زمانہ بھی رنگ لائے گا
کہ قافلے بھی نہاں ہیں انھیں غباروں میں

میں کس طرح تری آواز کو بیان کروں
بھری ہوئی ہیں عجب ٹھنڈکیں شراروں میں

ترا گلہ نگہِ ناز کیا کروں تجھ سے
کہ تو بھی خیر سے ہے اپنے غمگساروں میں

وہ جن پہ منزلِ آخر کا کھا گئے دھوکا
وہ منزلیں بھی ملیں تیری رہگزاروں میں

گلِ سرشک کو دیکھا ہے میں نے مرجھاتے
فراق پچھلے پہر سلگجے ستاروں میں

غزل ، ۱۰۰

☆

نصیبِ خفتہ کے شانے جھنجھوڑ سکتا ہوں
طلسمِ غفلتِ انساں کو توڑ سکتا ہوں

نہ پوچھ ، ہے مری مجبوریوں میں کیا کس بل
مشیتوں کی کلائی مروڑ سکتا ہوں

اُبل پڑیں ابھی آبِ حیات کے چشمے
شرار و سنگ کو ایسا نچوڑ سکتا ہوں

بہار جل کے خزاں ہو ، خزاں لہک کے بہار
چمن میں ایسے شگوفے بھی چھوڑ سکتا ہوں

نگاہِ غیب بھی جن تک ابھی پہنچ نہ سکی
ان انگلیوں سے وہ تارے بھی توڑ سکتا ہوں

نہ زہد میں وہ لچک اور نہ ہے گنہ میں کشش
کہ خیر و شر کے سروں کو بھی جوڑ سکتا ہوں

ہے زیر و بم مری لَے کا حریفِ ضربِ کلیم
بلند و سخت چٹانوں کو پھوڑ سکتا ہوں

مرے ھی سینے میں ہر صبح تھرتھراتی ہے
شبِ سیاہ کی زنجیر توڑ سکتا ہوں

فراق دیکھ بدلتی ہے منزلِ آفاق
کہ مہر و ماہ کی میں باگ موڑ سکتا ہوں

غزل ، ۱۰۱

☆

چھیڑ کے داستانِ غمِ اہلِ وطن کے درمیاں
ہم ابھی بیچ ہی میں تھے اور بدل گئی زباں

اپنی غزل میں ہم جسے کہتے رہے ہیں بارہا
وہ تری داستاں کہاں ، وہ تو ہے زیبِ داستاں

کوئی نہ کوئی بات ہے اس کے سکوتِ یاس میں
بھول گیا ہے سب گلے آج تو عشقِ بدگماں

کہتے ہیں اس کو خودسری ، رائے بدلتی ہی نہیں
گر ہے نہیں تو پھر نہیں اور اگر ہے ہاں تو ہاں

سرحدِ غیب تک تجھے صاف ملیں گے نقشِ پا
پوچھ نہ یہ پھرا ہوں میں تیرے لیے کہاں کہاں

کہتے ہیں میری موت پر ، اس کو بھی چھین ہی لیا
عشق کو مدتوں کے بعد ایک ملا تھا ترجماں

رنگ جما کے اٹھ گئی کتنے تمدنوں کی بزم
یاد نہیں زمین کو ، بھول گیا ہے آسماں

کوئی نہیں جو ساتھ دے تیرے حریمِ راز تک
بکھرے ہوئے مہ و نجوم دیتے ہیں سب ترا نشاں

جس کو بھی دیکھیے وہی بزم میں ہے غزل سرا
چھڑ گئی داستانِ دل پھر بحدیثِ دیگراں

بیت گئے ہیں لاکھ جگ سوئے وطن چلے ہوئے
پہنچی ہے آدمی کی ذات ، چار قدم کشاں کشاں

غزل ۱۰۲

جیسے کھلا ہؤا گلاب چاند کے پاس لہلہائے
رات وہ دستِ ناز میں جامِ نشاطِ ارغواں

رازِ وجود کچھ نہ پوچھ، صبحِ ازل سے آج تک
کتنے یقیں گزر گئے، کتنے گزر گئے گماں

تجھ سے یہی کہیں گی کیا، گزری ہے مجھ پہ رات بھر
جو مری آستیں پہ ہیں تیرے غموں کی سرخیاں

حسنِ ازل کی جلوہ گاہ آئینۂ سکوتِ راز
دیکھ تو ہے عیاں عیاں، پوچھ تو ہے نہاں نہاں

کتنے تصورات کے، کتنے ہی واردات کے
لعل و گہر لٹا گیا، دل ہے کہ گنجِ شائگاں

سینوں میں درد بھر دیا چھیڑ کے داستانِ حسن
آج تو کام کر گئی عشق کی عمرِ رائگاں

آہ فریبِ رنگ و بو اپنی شکست آپ ہے
بعدِ نظارۂ بہار بڑھ گئیں اور اُداسیاں

اے مری شامِ انتظار، کون یہ آ گیا لیے
زلفوں میں اک شبِ دراز، آنکھوں میں کچھ کہانیاں

مجھ کو فراق یاد ہے پیکرِ رنگ و بوئے دوست
پاؤں سے تا جبینِ ناز، مہر فشاں و مہ چکاں

غزل ، ۱۰۳

☆

دل میں اٹھا کے رکھ لے گلستاں   کر لے علاجِ تنگیِ داماں
شبنم و شعلہ حسنِ گلستاں   پُرنم پُرنم ، سوزاں سوزاں
آئے گنہگارانِ محبت   نادم نادم ، نازاں نازاں
حسن ہؤا چالاکِ زمانہ   عشق ہے اب تک حیراں حیراں
یہ بھی فسانہ ، وہ بھی کہانی   کیاشبِ وصل اور کیا شبِ ہجراں
تو نے بھرم غمِ عشق کے کھولے   اے غمِ دوراں ! اے غمِ دوراں !
آنچ قفس والوں تک پہنچی   اب کے بہت ہے شورِ بہاراں
کس کے پاؤں کی چاپ ہے دنیا   کون ہے صبحِ ازل سے خراماں
کس نے موت کی نیند اڑا دی   جاگ اُٹھی ہے خاکِ شہیداں
اس کا پانا ہے وہ کرشمہ   سوچ تو مشکل ، دیکھ تو آساں
بیداری ہے اپنے سہارے   نیند کا جھونکا گردشِ دوراں
کاوشِ دوزخ و خلد عبث ہے   پہلے آدمی ہو لے انساں
دنیا کو دنیا کرنا ہے   یہ منصوبے ! ساز نہ ساماں !

یوں ہی فراق نے عمر بسر کی
کچھ غمِ جاناں ، کچھ غمِ دوراں

غزل ، ۱۰۴

☆

نرم فضا کی کروٹیں دل کو دکھا کے رہ گئیں
ٹھنڈی ہوائیں بھی تری یاد دلا کے رہ گئیں

شام بھی تھی دھواں دھواں ، حسن بھی تھا اُداس اُداس
دل کو کئی کہانیاں یاد سی آ کے رہ گئیں

تیرے خرامِ ناز سے آج وہاں چمن کھلے
فصلیں بہار کی جہاں خاک اُڑا کے رہ گئیں

تاروں کی آنکھ بھی بھر آئی میری صدائے درد پر
اُن کی نگاہیں بھی ترے نام بتا کے رہ گئیں

اور تو اہلِ درد کو کون سنبھالتا بھلا
ہاں تری شادمانیاں ان کو رُلا کے رہ گئیں

تم نہیں آئے اور رات رہ گئی راہ دیکھتے
تاروں کی محفلیں بھی آج آنکھیں بچھا کے رہ گئیں

پھر ہیں وہی اُداسیاں ، پھر وہی سونی کائنات
اہلِ طرب کی محفلیں رنگ جما کے رہ گئیں

کون سکون دے سکا غمزدگانِ عشق کو
بھیگتی راتیں بھی فراق آگ لگا کے رہ گئیں

☆

کمی نہ کی ترے وحشی نے خاک اُڑانے میں
جنوں کا نام اُچھلتا رہا زمانے میں

فراق دوڑ گئی روح سی زمانے میں
کہاں کا درد بھرا تھا مرے فسانے میں

وہ آستیں ہے کوئی جو لہو نہ دے نکلے
وہ کوئی حسن ہے جھجکے جو رنگ لانے میں

کبھی بیانِ دلِ خوں شدہ سے یہ بھی کھلا
بھری ہیں کس نے یہ رنگینیاں فسانے میں

غرض کہ کاٹ دیے زندگی کے دن اے دوست
وہ تیری یاد میں ہوں یا تجھے بھلانے میں

ہمیں ہیں گل ، ہمیں بلبل ، ہمیں ہوائے چمن
فراق خواب یہ دیکھا ہے قید خانے میں

* * *

ماتھے سے مرے دھوپ اترتی تھی سہانی
میں بھی تھا کبھی تیری نگاہوں کی گزرگاہ

غزل ، ۱۰۶

☆

یہ میٹھی نیند ، یہ کیف آفریں سکونِ بدن
شمیمِ نرم کی یہ لوریاں ، یہ خوابِ چمن

مثالِ قوسِ قزح لہلہا رہا ہے بدن
یہ رنگ و بو کا تموج کہ وجد میں ہے چمن

دمِ وصال زہے نازکیِ حسنِ بدن
کچھ اور بڑھتا چلا روپ کا کنوارا پن

قبائے سرخ میں دیتا ہے روپ کیا جوبن
شفق کی اوٹ میں جیسے چراغ ہوں روشن

وہ پچھلی شب نگہِ نرگسِ خمار آلود
کہ جیسے نیند میں ڈوبی ہوئی ہو چندر کرن

مرا ہی دل ہے کہ اس کو اُتار لیتا ہے
کسی کی نرم نگاہی ہے آفتاب شکن

بہار لٹتی تھی ، مٹھی میں کل گلستاں تھا
میں غنچے غنچے میں کرتا رہا ہوں سیرِ چمن

ارے کہاں کی ادائیں یہ آ گئیں تجھ میں
سکوں نما نگہِ آشنا زمانہ فگن

تجھے حیات کی بے صبریوں کا علم بھی ہے ؟
یہ بات الگ کہ ہر اک اپنے حال میں ہے مگن

رکی رکی سی یہ آزردگی قیامت ہے
یہ کیا ادائیں ہیں تیری نہ کھل کے روٹھ نہ من

غزل ، ۱۰۷

سبب کچھ اور ہیں پیارے مری آداسی کے
نہ میں جفاؤں کا شاکی نہ تو وفا دشمن

ہمارے حال کی گویا تجھے خبر ہی نہیں
نگاہِ ناز! اب اتنا بھی اہلِ غم سے نہ بن

یہ کاروانِ زمانہ چلے ہی جاتا ہے
نہ خوفِ شامِ غریباں ، نہ فکرِ صبحِ وطن

ترے جمال پہ کیا سادگی برستی ہے
عجیب فتنۂ معصوم ہے یہ بھولا پن

یہ سر سے تا بقدم محویت کا عالم ہے
کسی خیال میں ڈوبا ہؤا ہو جیسے بدن

ہر ایک شب ہے یہ دوشیزگیِ لذتِ دید
کنوارے ناتے کہیں جس طرح سے آئے دلھن

جدھر نگاہ کریں سیرِ شبنمستاں ہے
فراقِ حسنِ جہاں پر ہے آنسوؤں کا کفن

* * *

اور دکھ ہو کہ ہجرِ دوست فراق
آج کچھ درد سا ہے سینے میں

غزل ۱۰۸

☆

رنج و راحت ، وصل و فرقت ، ہوش و وحشت کیا نہیں
کون کہتا ہے کہ رہنے کی جگہ دنیا نہیں

چل نہیں سکتے یہاں خوش بختیوں کے بھی فریب
عشق کا رونا ہے کچھ تقدیر کا رونا نہیں

اہلِ غم تم کو مبارک یہ فنا آمادگی
لیکن ایثارِ محبت جان دے دینا نہیں

حسن سرتاپا تمنّا ، عشق سر تا سر غرور
اس کا اندازہ نیاز و ناز سے ہوتا نہیں

سرحدِ جذب و اثر سے حسنِ جاناں دور ہے
عشق کی دنیا بھی شاید عشق کی دنیا نہیں

غور کر اس کیفیت پر ، کچھ سمجھ یہ سوز و ساز
عشق میں دل درد ہو جاتا ہے دل دکھتا نہیں

یوں بھی آتی ہے قیامت اے خرامِ نازِ یار
مٹ کے بھی دنیا محبت کی تہ و بالا نہیں

ایک حالت پر زمانے میں نہ گزری عشق کی
درد کی دنیا بھی اب وہ درد کی دنیا نہیں

جس کے شعلوں سے تھی کل تک گرمیِ بزمِ حیات
آج اس خاکسترِ دل سے دھواں اٹھتا نہیں

میں عدم اندر عدم ، میں ہوں جہاں اندر جہاں
ایک ہی دنیا ہو میری ، اے فراق ایسا نہیں

غزل ، ۱۰۹

☆

سر میں سودا بھی نہیں دل میں تمنّا بھی نہیں
لیکن اس ترکِ محبت کا بھروسا بھی نہیں

بھول جاتے ھیں کسی کو مگر ایسا بھی نہیں
یاد کرتے ھیں کسی کو مگر اتنا بھی نہیں

ایک مدت سے تری یاد بھی آئی نہ ھمیں
اور ھم بھول گئے ھوں تجھے ایسا بھی نہیں

مہربانی کو محبت نہیں کہتے اے دوست!
ھائے اب مجھ سے تجھے رنجشِ بے جا بھی نہیں

فطرتِ حسن تو معلوم ھے تجھ کو ھمدم
چارہ ھی کیا ھے بجز صبر ، سو ھوتا بھی نہیں

نگہِ ناز کی نیت کا پتا بھی نہیں اور
دلِ دیوانہ کا معلوم ارادا بھی نہیں

بے خودی ھوش نما ، ھوش بھی غفلت آرا
ان نگاھوں نے کہیں کا مجھے رکھا بھی نہیں

دل کی گنتی نہ یگانوں میں نہ بیگانوں میں
لیکن اس جلوہ گہِ ناز سے اُٹھتا بھی نہیں

آج غفلت بھی ان آنکھوں میں ھے پہلے سے سوا
اور دلِ ھجر نصیب آج شکیبا بھی نہیں

ھم اُسے منہ سے بُرا تو نہیں کہتے کہ فراق
دوست تیرا ھے مگر آدمی اچھا بھی نہیں

غزل ، ۱۱۰

☆

کہاں تک آہ تلاشِ اجل میں جان کھپائیں
فراق آؤ اسی زندگی کو موت بنائیں

ہیں گرچہ اہلِ نظر کو بڑے بڑے دعوے
کہیں وہ جلوہ نما ہو تو دیکھتے رہ جائیں

زمانے کی بھی تو ہے داستانِ رنگا رنگ
فسانہ اپنی مصیبت کا تا بہ کَے دہرائیں

فضائے دشت بھی پہچانتی ہے یہ آواز
دلِ خراب کو یہ کون دے رہا ہے صدائیں

وصال و ہجر کا ایسوں کے کچھ ٹھکانا ہے
کہ جا کے بھی جو نہ جائیں اور آ کے بھی جو نہ آئیں

زمانہ بدلا ہے ایک آدھ کروٹوں سے کہیں
ابھی عناصرِ عالم کچھ اور پلٹے کھائیں

مغائرت کو چھپانا ہے دل دہی کیا ہے
کہاں تک اُس نگہِ آشنا کے دھوکے کھائیں

جہاں میں ترکِ تعلق نہیں ہے ترکِ رسوم
وہ سامنے ہیں تو ہم بھی کہاں تک آنکھ چرائیں

ارے یہ رنج یہ مایوسیاں بجا ، لیکن
تجھے بھی اہلِ محبت ذرا پکارے جائیں

نہ پوچھ عشق کے دکھ سکھ کو پی گئے کس طرح
کوئی اُتار لے ان کو تو چیتھڑے اڑ جائیں

غزل ، ۱۱۱

سمے کا پھیر کہیں یا سمے کی بلھاری
نگاہیں اپنی جگہ ہوں اور اس طرح پھر جائیں

ازل سے رونقِ بزمِ جہاں ہیں قلبِ تپاں
یہ انجمن بھی ہوا ہو جو یہ کنول بجھ جائیں

کریں تو کس سے کریں شوقِ نارسا کا گلہ
رکیں تو پاؤں نہ مانیں ، چلیں تو منہ کی کھائیں

وہ بے نیاز ، یہاں موت و زندگی یکساں
دعا بجا ، مگر ایسے میں کس کی خیر منائیں

لیے رہیں وہ زمانے میں اپنی بے فکری
جو غم شناس نہیں وہ خوشی کو منہ نہ لگائیں

فراق بعد کو ممکن ہے یہ بھی ہو نہ سکے
ابھی تو رو بھی لے کچھ ہنس بھی لے وہ آئیں نہ آئیں

* * *

وہ چپ چاپ آنسو بہانے کی راتیں
وہ اک شخص کے یاد آنے کی راتیں

*

اس کائناتِ غم کی فسردہ فضاؤں میں
بکھرا گئے ہیں آ کے وہ کچھ مسکراہٹیں

غزل ، ۱۱۲

☆

چھلک کے کم نہ ہو ایسی کوئی شراب نہیں
نگاہِ نرگسِ رعنا ترا جواب نہیں

زمین جاگ رہی ہے کہ انقلاب ہے کل
وہ رات ہے کوئی ذرہ بھی محوِ خواب نہیں

حیات درد ہوئی جا رہی ہے ، کیا ہوگا ؟
اب اُس نظر کی دعائیں بھی مستجاب نہیں

جو تیرے درد سے محروم ہیں یہاں ، ان کو
غمِ جہاں بھی سنا ہے کہ دستیاب نہیں

ٹھہر ٹھہر کے ترا دیکھنا ، نئی دنیا
ارے وہ کون نظر ہے جو انتخاب نہیں

نصیب سے ہے شبستانِ غم کا چشم و چراغ
وہ رُوئے دوست ، جسے دیکھنے کی تاب نہیں

غم و نشاط ترے کس طرح کوئی جانے
ہنسی لبوں پہ نہیں ، آنکھ بھی پُر آب نہیں

دکھا تو دیتی ہے بہتر حیات کے سپنے
خراب ہو کے بھی یہ زندگی خراب نہیں

شکستِ رنگِ رخِ روزگار دیکھ فراق
وہ مہر و ماہ کے چہرے پہ آب و تاب نہیں

غزل ۱۱۳

☆

کبھی ہم سائلوں کے بھیس میں جس دم نکلتے ہیں
بنا کر فقر کے کاسے کو جامِ جم نکلتے ہیں

بظاہر حسن والے کس قدر لاچار و بے بس ہیں
مگر کچھ آزمائیں تو بڑے دم خم نکلتے ہیں

عبث تفصیلِ غم ، بے کار شرحِ قصّۂ الفت
کہ تیرے غم بھی تو اے دل غم اندر غم نکلتے ہیں

کئی پیغمبرانِ دیں ، ہزاروں بت شکن آئے
ابھی تک آستینوں سے صنم پیہم نکلتے ہیں

خود اپنے آپ سے پردہ کیے بیٹھے تھے ہم اے دل
الٹتے ہیں نقابِ بحر و بر تو ہم نکلتے ہیں

ابھی تک یاد تازہ ہے شہیدانِ محبت کی
ابھی تک عشق کا کرتے ہوئے ماتم نکلتے ہیں

دل بیدار کیسی رہگزر ہے ، کس کی منزل ہے
ادھر سے ایزدان و اہرمن باہم نکلتے ہیں

فراق اپنے سوا موجود مانیں تو کسے مانیں
ازل سے پردۂ ہر خیر و شر میں ہم نکلتے ہیں

غزل ۱۱۴

☆

جو چہرے مدتوں زینتِ دہ ہر بزمِ عشرت تھے
وہ بن بن کر چراغِ محفلِ ماتم نکلتے ہیں

بس اتنا ہی کہیں گے ہم ، منا خیر اپنے چھپنے کی
زمانہ ڈھونڈ آیا تجھ کو ، دیکھ اب ہم نکلتے ہیں

ستارے دیکھتے ہیں ہر طرف ، آہٹ نہیں پاتے
وہ اکثر شب کو اوڑھے چادرِ شبنم نکلتے ہیں

سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ دم کیوں اور اُلجھتا ہے
خیالاتِ پریشاں کے جو پیچ و خم نکلتے ہیں

یہ خلقت سر بسر انسانیت کی اک کہانی ہے
نقوشِ برگِ گل میں قصّۂ آدم نکلتے ہیں

مری غزلیں مرے کردار کا آئینہ ہیں ہمدم
مجھ ایسے دہر میں شائستۂ غم کم نکلتے ہیں

نہ جا اس قوم کی سفاکیوں پر اے دلِ زخمی
انہی قاتل حسینوں میں مسیحا دم نکلتے ہیں

فراق اپنی یہ باتیں کس سے کہیے ، کس طرح کہیے
جنہیں محرم سمجھیے وہ بھی نامحرم نکلتے ہیں

(و)

☆

شامِ غم کچھ اُس نگاہِ ناز کی باتیں کرو
بے خودی بڑھتی چلی ہے ، راز کی باتیں کرو

یہ سکوتِ ناز یہ دل کی رگوں کا ٹوٹنا
خامشی میں کچھ شکستِ ساز کی باتیں کرو

نکہتِ زلفِ پریشاں ، داستانِ شامِ غم
صبح ہونے تک اسی انداز کی باتیں کرو

عشق رسوا ہو چلا ، بے کیف سا بیزار سا
آج اس کی نرگسِ غماز کی باتیں کرو

نام بھی لینا ہے جس کا اک جہانِ رنگ و بو
دوستو اس نوبہارِ ناز کی باتیں کرو

کس لیے عذرِ تغافل ، کس لیے الزامِ عشق
آج چرخِ تفرقہ پرداز کی باتیں کرو

کچھ قفس کی تیلیوں سے چھن رہا ہے رازِ دل
کچھ فضا ، کچھ حسرتِ پرواز کی باتیں کرو

جو حیاتِ جاوداں ہے ، جو ہے مرگِ ناگہاں
آج کچھ اس ناز ، اس انداز کی باتیں کرو

جس کی فرقت نے پلٹ دی عشق کی کایا فراق
آج اس عیسیٰ نفس دمساز کی باتیں کرو

غزل ، ۱۱٦

☆

کوئی رگِ دلِ افسردہ آج پھر اُکساؤ
پھر آج غم کے شبستاں میں اک چراغ جلاؤ

ارے خود اپنا فریبِ نگاہ کیا کم ہے
یہ کیا ضرور کہ اس کی نظر کے دھوکے کھاؤ

یہ امتزاج تو دیکھو سکون و لرزش کا
نظر فریب ہے کیا حسن کے خطوں کا کھنچاؤ

نہ عشق ہی کو خبر ہو نہ حسن ہی جانے
کسی سے عالمِ مستی میں اس طرح کھل جاؤ

جہان میں ہے بڑی چیز خود فریبیِ عشق
کسی کا عہدِ وفا جھوٹ ہی ہو ، مان بھی جاؤ

اگر مصائبِ دنیا کو دور کرنا ہے
کچھ اپنی اپنی مصیبت سے بے خبر ہو جاؤ

فلک پہ گوش بر آواز ہیں ستارے بھی
ہے رات کتنی سہانی ، کوئی فسانہ سناؤ

ابھی تو بلبلیں آسودۂ نشیمن ہیں
گلو کچھ اور ابھی رنگ و بو کے جال بچھاؤ

کہو دیارِ محبت کے رونے والوں سے
ہزار فتنے اٹھاؤ ، اس آنکھ کو نہ جگاؤ

نہ پوچھ اُلجھی ہوئی گتھیاں محبت کی
نہ پوچھ حسن کی باتوں میں کتنا ہے سلجھاؤ

غزل ، ۱۱۷

یہ تیرا جسم ہے یا راگنی ہے آ کے کھڑی
کہ آج تک تو نہ دیکھا تھا یہ بدن کا رچاؤ

بساطِ ناز پہ تو ہے کہ کوئی دیوی ہے
بھنووں کی نرم لچک ، انکھڑیوں کا نرم جھکاؤ

لہو کی بوند ہے دل ، شانِ مد و جزر تو دیکھ
کسی ندی کا ہو جیسے اتار اور چڑھاؤ

کرو نہ گریۂ معصومِ عشق کو رسوا
چمکتے جھوٹ سے پانی میں تو نہ آگ لگاؤ

اگرچہ سادہ تھا کتنا گناہ آدم کا
وہ رنگ لائے گا کیا کیا ، ابھی تو دیکھتے جاؤ

بجا یہ ترکِ محبت ، بجا یہ عزمِ محال
کسی کو خیر نہ اب چاہنا ، قسم تو نہ کھاؤ

تڑپ کو ہم نے بنایا سکونِ بے پایاں
ہماری دکھ بھری لَے میں ہے کس قدر ٹھہراؤ

فراق اس کی محبت سے باز کیوں آؤں
اب اس میں ایک جہاں سے بگاڑ ہو کہ بناؤ

* * *

گھر رہوں یا کہیں نکل جاؤں
کیا کروں تجھ سے چھٹ کے کیا نہ کروں

غزل ، ۱۱۸

☆

دعا سب کرتے آئے ہیں ، دعا سے کچھ ہؤا بھی ہو
دکھی دنیا میں بندے ان گنت ، کوئی خدا بھی ہو

نہ پوچھ اے ہمنشیں ، یہ جنس مہنگی ہے کہ سستی ہے
یہ دل کی طرفگی ہے ، خاک بھی ہو کیمیا بھی ہو

کہاں وہ خلوتیں دن رات کی ، اور اب یہ عالم ہے
کہ جب ملتے ہیں دل کہتا ہے کوئی تیسرا بھی ہو

حیاتِ نو بنو کے عالمِ رنگیں کا کیا کہنا
خوشی کی سربسر تصویر بھی ہو ، غم نما بھی ہو

یہ کہتے ہیں کہ رہتے ہو تمھیں ہر دل میں دکھ بن کر
یہ سنتے ہیں تمھیں دنیا میں ہر دکھ کی دوا بھی ہو

تو پھر کیا عشق دنیا میں کہیں کا بھی نہ رہ جائے
زمانے سے لڑائی مول لے ، تجھ سے بُرا بھی ہو

فسونِ خامشی سے عشق کو چونکا دیا کس نے
تعجب ہے سکونِ شامِ غم بانگِ درا بھی ہو

محبت کی نظر چشم و چراغِ بزم ہستی ہے
جب اتنی صورتیں ہیں ، کوئی صورت آشنا بھی ہو

فراق انسان سے کیا فیصلہ ہو کفر و ایماں کا
یہ حیرت خیز دنیا ، جب خدا بھی ، ماسوا بھی ہو

غزل ، ۱۱۹

☆

بھڑکتے شعلوں سے ٹھنڈک جو دے وہ آگ ہے تو
سدا بہار ہے تو ، پریم کا سہاگ ہے تو

خبر دلوں کو نہیں ، جلتے ہیں کہ بجھتے ہیں
ارے نہ آگ نہ پانی ہے جو وہ لاگ ہے تو

سکوت کو بھی تو کانوں میں گونجتا پایا
جو ایک کر دے سنا آن سنا وہ راگ ہے تو

قبائے تنگ نے بیسوں جگہ سے لَو دے دی
زفرق تا بقدم اک دبی سی آگ ہے تو

میں تجھ کو دیکھ رہا ہوں کہ کان بجتے ہیں
ہے کوئی شعلۂ لرزاں کہ کوئی راگ ہے تو

نگاہ و گوش کی پُرکیف تشنگی کو نہ پوچھ
اک ادھ کھلی سی کلی ، ادھ سنا سا راگ ہے تو

فراق اپنے دکھوں کو بھلا کے کہنا تھا
سدا بہار ہے دنیا ، سدا سہاگ ہے تو

* * *

خبر بھی رکھتے ہو کچھ اُن کی رنگ و بو والو
جو کاٹتے چلے جاتے ہیں راہِ صحرا کو

غزل ۱۲۰

☆

تقدیس منزلوں کی جگاتے چلے چلو
اے رہروانِ راہِ محبت بڑھے چلو

گو رہبری سکوتِ ابد کی ہے عشق میں
گر سن سکو تو بانگِ جرس بھی سنے چلو

منزل عدم کی ، راہ کٹھن ، رات کا سفر
تا صبح دم فسانۂ ہستی کہے چلو

اے رہروانِ عشق بڑھو کوئے ناز سے
آئے تو یہ بھی منزلِ غم کاٹتے چلو

لو آ گئی یہ منزلِ جاناں کی سرزمیں
کھوئے ہوئے دلوں کے لگاتے پتے چلو

اے رہروانِ عشق ہے جامِ فنا میں بھی
وہ نشۂ حیات کہ بس جھومتے چلو

جاتی ہے ہو کے زیرِ فلک راہِ عشق بھی
جو بار ہو اٹھاؤ ، پڑے جو ، سہے چلو

رازِ شناوری ہے یہی بحرِ عشق میں
ساحل کی یاد دل سے بھلا کر بہے چلو

فرصت ضروری کاموں سے پاؤ تو رو بھی لو
اے اہلِ دل یہ کارِ عبث بھی کیے چلو

جب چل پڑے فراق تو منزل کی فکر کیا
جو کچھ دکھائے دورِ فلک ، دیکھتے چلو

غزل ، ۱۲۱

☆

زہے آب و گل کی یہ کیمیا ، ہے چمن کہ معجزۂ نمو
نہ خزاں ہے کچھ نہ بہار کچھ ، وہی خار و خس وہی رنگ و بو

مری شاعری کا یہ آئنہ ، کرے ایسے کو ترے روبرو
جو تری ہی طرح ہو سربسر ، جو تجھی سے ملتا ہو موبمو

اسی سوز و ساز کی منتظر تھی بہارِ گلشنِ آرزو
ترے رنگ رنگ نشاط سے مرے غم کی آنے لگی ہے بو

وہ چمن پرست بھی ہیں جنھیں یہ خبر ہوئی ہی نہ آج تک
کہ گلوں کی جس سے ہے پرورش رگِ خار میں ہے وہی لہو

ہوئی ختم صحبتِ میکشی ، یہی داغ سینوں میں لے چلے
کہ طلوع ہونے سے رہ گئے کئی آفتابِ خم و سبو

ترے ساتھ رات کی سیر جب یہ جہان خوابِ طلسم تھا
وہ فضا میں رقصِ شعاعِ مہ ، بم و زیرِ نغمۂ آبِ جو

تجھے پا کے خود کو میں پاؤں گا کہ تجھی میں کھویا ہؤا ہوں میں
یہ تری تلاش بہانہ ہے کہ مجھے ہے اپنی ہی جستجو

مرے دل میں تھا کوئی جلوہ گر، وہ ہو تو کہ اور کوئی مگر
یہی خال و خط تھے بجنسہٖ ، یہی روپ رنگ تھا ہو بہو

ادھر ایک چپ تو ہزار چپ ، اُدھر ایک کہہ تو ہزار سن
وہ نیازِ عشق کی بے بسی ، وہ نگاہِ ناز کی دوبدو

وہی آنکھ جامِ مئے حیا ، وہی آنکھ جامِ جہاں نما
جو نگاہ اُٹھتی نہیں کبھی وہ نگاہ جاتی ہے چارسو

غزل ، ۱۲۲

یہ کہاں سے بزمِ خیال میں اُمنڈ آئیں چہروں کی ندیاں
کوئی مہ چکاں ، کوئی خورفشاں ، کوئی زہرہ وش ، کوئی شعلہ رو

مری شاعری نے کھلائے گل سرِ نوکِ خار چمن چمن
جو کیے یہ دعوے حریف نے رگِ فکر دینے لگی لہو

تجھے اہلِ دل کی خبر نہیں کہ جہاں میں گنج لٹا گئے
یہ گداگرانِ دیارِ غم ، یہ قلندرانِ تہی کدو

اب اُسی کا تکیہ زمانے میں یہ سنا ہے مرجعِ خلق ہے
جو فراق تیرے لیے پھرا کبھی در بدر ، کبھی کوبکو

* * *

دل تو فراق سخی ہے تیرا
آنکھ مگر للچائی ہوئی سی

*

ہم سے کیا ہو سکا محبت میں
تو نے تو خیر بے وفائی کی

(۵)

☆

بزم میں آج آن آنکھوں کا عالمِ بے خودی تو دیکھ
رنگِ فسوں گری تو دیکھ ، جادوئے سامری تو دیکھ

لے کے دلِ نجوم کو ڈوبی ہے نبضِ کائنات
عالمِ صبح زندگی ، رات اگر کٹی تو دیکھ

آنکھیں چرائیں جس طرح تارے اندھیری رات میں
غم کی زیادتی تو دیکھ ، آنسوؤں کی کمی تو دیکھ

دن تھے نکلتے بیٹھتے ، دور تھی منزلِ خزاں
کلیوں کی سانس اکھڑ گئی ، مانگے کی زندگی تو دیکھ

سیلِ سکوں نما ہے یا طرزِ خرامِ انقلاب
چڑھتی ہوئی ندی کا آج عالمِ کم روی تو دیکھ

روحِ نوائے سرمدی آج ہے گوش برصدا
بزمِ سکوتِ شام میں روح کی نغمگی تو دیکھ

نیکی بدی کی فطرتیں ، دہر کی سب حقیقتیں
نامِ خدا بدل گئیں ، حسن کی کافری تو دیکھ

جیسے سکوت و گفتگو مل کے سنائیں داستاں
نرگسِ نیم وا میں ہے بات یہی ، یہی تو دیکھ

جیسے سکون تھرتھرائے ، جیسے سکوت کچھ سنائے
جیسے سگند مسکرائے ، حسن کی طرفگی تو دیکھ

غزل ، ۱۲۴

☆

دیارِ غیر میں سوزِ وطن کی آنچ نہ پوچھ
خزاں میں صبحِ بہارِ چمن کی آنچ نہ پوچھ

فضا ہے دہکی ہوئی ، رقص میں ہیں شعلۂ گل
جہاں وہ شوخ ہے اُس انجمن کی آنچ نہ پوچھ

قبا میں جسم ہے یا شعلہ زیرِ پردۂ ساز
بدن سے لپٹے ہوئے پیرہن کی آنچ نہ پوچھ

تمام بادِ بہاری ، تمام خندۂ گل
شمیمِ زلف کی ٹھنڈک ، بدن کی آنچ نہ پوچھ

فضا میں برق سی رہ رہ کے کوند جاتی ہے
سکوت میں بھی کسی کے دہن کی آنچ نہ پوچھ

حجاب میں بھی اُسے دیکھنا قیامت ہے
نقاب میں بھی رخِ شعلہ زن کی آنچ نہ پوچھ

پیامِ زیرِ لبی پھونک دے نہ پردۂ دل
کسی کی نرمیِ طرزِ سخن کی آنچ نہ پوچھ

لپک رہے ہیں وہ شعلے کہ ہونٹ جلتے ہیں
نہ پوچھ ، موجِ شرابِ کہن کی آنچ نہ پوچھ

یہ سوز و ساز نہ جنت میں ہے نہ دوزخ میں
دلوں میں کیا ہے نشاط و محن کی آنچ ، نہ پوچھ

دیے ہی جاتی ہے ترغیبِ جرم آدم کو
غضب ہے ، سوزِ دلِ اہرمن کی آنچ نہ پوچھ

غزل ، ۱۲۵

نہیں ہے سہل ہم آہنگیٔ بنی آدم
دلوں میں کشمکشِ ما و من کی آنچ نہ پوچھ

نظر فریب ہے کیا رسمسی صباحتِ حسن
خنک خنک سی بہارِ چمن کی آنچ نہ پوچھ

فراق آئنہ در آئنہ ہے حسنِ نگار
صباحتِ چمن اندر چمن کی آنچ نہ پوچھ

* * *

اک فسوں ساماں نگاہِ آشنا کی دیر تھی
اس بھری دنیا میں ہم تنہا نظر آنے لگے

*

کہاں ہر ایک سے بارِ نشاط اُٹھتا ہے
بلائیں یہ بھی محبت کے سر گئی ہوں گی

*

کبھی کبھی تجھے جب آنکھ اُٹھا کے دیکھا تھا
حریفِ عمرِ بقا تھے وہ نیم لمحے بھی

غزل ، ۱۲۶

(ے)

☆

دیکھتے دیکھتے اُتر بھی گئے
اُس کے تیر اپنا کام کر بھی گئے

عشق کی کچھ ہوا لگی جب انھیں
کچھ اُڑا رنگ ، کچھ نکھر بھی گئے

حسن پر بھی کچھ آ گئے الزام
گو بہت اہلِ دل کے سر بھی گئے

یوں تو کچھ عشق نیک نام نہ تھا
لوگ بدنام اس کو کر بھی گئے

آج انھیں مہربان سا پا کر
خوش ہوئے اور جی میں ڈر بھی گئے

اُن کو ڈھونڈیں کہاں کہ اپنے ساتھ
لے کے وہ اپنی رہگزر بھی گئے

عشق میں روٹھ کر دو عالم سے
لاکھ عالم ملے جدھر بھی گئے

عشق کو انتظارِ طوفاں ہے
چڑھتے دریا جو تھے اُتر بھی گئے

جن کو اُس آنکھ نے خراب کیا
کچھ وہ بگڑے بھی ، کچھ سنور بھی گئے

غزل ، ۱۲۷

موت کو بھی نہیں ہے بار جہاں
قافلے عشق کے اُدھر بھی گئے

دکیا بتائیں زمین کی رفعت
بارہا آسماں پر بھی گئے

گل کھل اُٹھے بوقتِ عہدِ وفا
قطرے شبنم کے کچھ بکھر بھی گئے

کس لیے کم نہیں ہے درد فراق
اب تو وہ دھیان سے اُتر بھی گئے

دن بھی ڈوبا مری غزل میں فراق
گیسوئے شامِ غم بکھر بھی گئے

* * *

دکھاتے ہیں ستارے ایک بہتر زندگی کے خواب
نہ دیکھ ان کی طرف وہ چھین لیں گے سب خوشی تیری

زمینِ رہگزر کے ذرے گہری سانس لیتے ہیں
سکوں آثار کتنی ہے ادائے کم روی تیری

تری باتوں سے تڑکا ہو گیا غم خانۂ دل میں
ہزاروں مہر و مہ برسا گئی رنگیں ہنسی تیری

شریکِ بزم ہو کر یوں اُچٹ کر بیٹھنا تیرا
کھٹکتی ہے تری موجودگی میں بھی کمی تیری

غزل ، ۱۲۸

☆

خوش طرز اک نظر مرے دل سے پرچ گئی
بن کر مذاقِ غم مری رگ رگ میں رچ گئی

بازارِ دہر میں کوئی شے کام کی نہ تھی
اک جنسِ حسن تھی جو نگاہوں میں جچ گئی

بدنام رہگزارِ نظر میں ہؤا ہے عشق
کچھ ہر نگاہ کہتی ہوئی جھوٹ سچ گئی

دل کی تہوں سے پھر اُڑے یادوں کے کچھ غبار
پھر نوکِ خارِ غم اُنھیں آ کر کھرچ گئی

آنسو مژہ کے پاس تک آ کے پلٹ گئے
کل بال بال آبروئے عشق بچ گئی

کچھ میرے دل کی آنچ سے کچھ سیلِ اشک سے
پھر زندگی زمین کے ذروں میں رچ گئی

میں کیا مآلِ گریۂ خونیں بیاں کروں
جتنا لہو تھا دل میں تری یاد اُلچ گئی

یہ سوچتا ہوں ہجر میں پھر کیا کروں گا میں
رونے سے اے فراق جو کچھ رات بچ گئی

☆

نہ آنا تیرا اب بھی گرچہ دل تڑپا ہی جاتا ہے
ترے جانے پہ بھی لیکن سکوں سا آ ہی جاتا ہے

نہ بجھنے والا شعلہ تھا کہ نخلِ علم کا پھل تھا
ابھی تک دل سے انساں کے دھؤاں اٹھتا ہی جاتا ہے

یہ بھولی بھالی دنیا بھی سیانی ہے قیامت کی
کوئی کرتا ہے چالاکی تو دھوکا کھا ہی جاتا ہے

ہزاروں ہیں جو خود کو بے نیازِ غم سمجھتے ہیں
کبھی کچھ ابر سا لیکن دلوں پر چھا ہی جاتا ہے

وہ تیرے درد کا انسانیت کا درد بن جانا
خوشا وہ زخم اچھا ہو کے جو دکھتا ہی جاتا ہے

اُلٹ جاتی ہیں تدبیریں ، پلٹ جاتی ہیں تقدیریں
اگر ڈھونڈے نئی دنیا تو انساں پا ہی جاتا ہے

وہ مستِ ناز اُٹھاتا ہے قدم سو احتیاطوں سے
لبا لب جامِ مَے چلتے ہوئے چھلکا ہی جاتا ہے

جو دستِ غیب نے صبحِ ازل رکھ دی تھی سینوں میں
سخنؔ تیرا فراق اُس آگ کو بھڑکا ہی جاتا ہے

غزل ، ۱۳۰

☆

لپٹی ہوئی قدموں سے ہو وہ راہگزر بھی
ایک ایک قدم جس میں ہے منزل بھی سفر بھی

افسانہ در افسانہ ہے گویا وہ نظر بھی
کچھ کہنے کو ہے جیسے بعنوانِ دگر بھی

ہر سانس میں آتی ہے عجب دل کی خبر بھی
کچھ ساکن و ساکت بھی ہے کچھ زیر و زبر بھی

بیگانہ تھا کچھ حسن بھی کچھ میری نظر بھی
اک آگ لگی کل سے ادھر بھی ہے اُدھر بھی

اُچٹے ہوئے دل پھر بھی ہیں اٹکے ہوئے کیا کیا
دنیا ہے عجب جاء کہ ہے پردیس بھی گھر بھی

اس درجہ نہیں بیکسیِ شامِ غم اپنی
اُٹھ جاتے ہیں تاروں کے ادھر دیدۂ تر بھی

گزرا ہے فراقِ وطن آوارہ ادھر سے
کچھ چاک گریباں بھی تھا کچھ خاک بسر بھی

* * *

نازک وقتوں میں کام آ کر عشق دغا دے جاتا ہے
چڑھتی ندی پار اُتارے ، اُتری ندی ڈبوئے بھی

غزل ، ۱۳۱

☆

بزمِ ساقی سے اُٹھا ہے کوئی یوں رات رہے
پا بدستِ دگرے ، دست بدستِ دگرے

ڈال کر سمتِ وطن ایک اُچٹتی سی نگاہ
ہم سوئے دشتِ جنوں لے کے ترا نام چلے

اکثر اُس عالمِ بے نام کی یاد آتی ہے
جس سے مل جاتے ہیں دنیائے محبت کے سرے

داستاں عشق کی دھرا گئی تاروں بھری رات
کتنی یادوں کے چراغ آج جلے اور بجھے

دولتِ درد بڑی چیز ہے ، اے عشق پڑا
قرعۂ فال ترے نام ، خدا جس کو دے

غم کی تصویر بھی دیکھا ہے قدِ رعنا کو
کچھ وہ پلکوں میں نمی ، سرد نفس ، بال کھلے

عمرِ آوارگیِ عشق میں جب ختم ہوئی
جا کے اُس وقت کھلا ہم کہیں آئے نہ گئے

دوست کی یاد میں رونے کے تم اوقات فراق
مجھ سے جو پوچھتے ہو : رات گئے ، رات رہے

غزل ، ۱۳۲

☆

عشق تو دنیا کا راجا ہے کس کارن بیراگ لیا ہے !
حسن کو تو نے کیا جانا ہے ! عشق کو تو نے کیا سمجھا ہے!
رو کر عشق خموش ہؤا ہے وقت سہانا اب آیا ہے
یوں تو بھری دنیا ہے لیکن دنیا میں ہر اک تنہا ہے
عشق اگر سپنا ہے اے دل حسن تو سپنے کا سپنا ہے
ناکاموں کو راحت کیسی ؟ درد جو پوچھو درد بھی کیا ہے؟
کون بسا ہے خانۂ دل میں 'تو تو نہیں لیکن تجھ سا ہے
رمتا جوگی ، بہتا پانی عشق بھی منزل چھوڑ رہا ہے
دبا دبا سا ، رکا رکا سا دل میں شاید درد ترا ہے
تو پہلو میں ، دل افسردہ آج چراغِ عشق بجھا ہے
یوں تو خود ہم بھی نہیں اپنے یوں تو جو بھی ہے اپنا ہے
یہ بھی سوچا رونے والے کس مشکل سے درد اُٹھا ہے
ایک وہ ملنا ، ایک یہ ملنا کیا تو مجھ کو چھوڑ رہا ہے
عشق کے ہاتھوں، عشق کے بل پر موت نے بھی جینا سیکھا ہے
ہاں میں وہی ہوں، ہاں میں وہی ہوں تو کچھ مجھ کو بھول رہا ہے

تو بھی فراق اب آنکھ لگا لے
صبح کا تارا ڈوب رہا ہے

غزل ۱۳۳

☆

موت اک گیت رات گاتی تھی
زندگی جھوم جھوم جاتی تھی

حسن کے آنسوؤں کی یاد آئی
زندگی جن میں مسکراتی تھی

ذکر تھا رنگ و بو کا اور دل میں
تیری تصویر اُترتی جاتی تھی

وہ ترا غم ہو یا غمِ آفاق
شمع سی دل میں جھلملاتی تھی

کروٹیں لے اُفق پہ جیسے کوئی
صبح اس طرح رسمساتی تھی

تھے نہ افلاک گوش بر آواز
بے خودی داستاں سناتی تھی

زندگی کو رہِ محبت میں
موت خود روشنی دکھاتی تھی

روتے جاتے تھے تیرے ہجر نصیب
رات فرقت کی ڈھلتی جاتی تھی

غم کی وہ داستانِ نیم شبی
آسمانوں کو نیند آتی تھی

جلوہ گر ہو رہا تھا کوئی اُدھر
دھوپ ادھر پھیکی پڑتی جاتی تھی

غزل ۱۳۴

زندگی خود کو راہِ ہستی میں
کارواں کارواں چھپاتی تھی

ہمہ تن گوش زندگی تھی فراق
موت دھیمے سروں میں گاتی تھی

* * *

کچھ ایسی بھی گزری ہیں ترے ہجر میں راتیں
دل درد سے خالی ہو مگر نیند نہ آئے

*

ایک لمحہ دل نوازی کا حریفِ عمر ہے
آج خوش کر دے مجھے اور کل کو مجھ پر چھوڑ دے

*

پڑے ہیں خوابِ عدم میں جہاں کے ہنگامے
پکارتی ہے زمانے کو خامشی تیری

*

میں آسمانِ محبت سے رخصتِ شب ہوں
ترا خیال کوئی ڈوبتا ستارا ہے

غزل ، ۱۳۵

☆

کس درد سے دل کراھتا ھے
اے کاش وہ پوچھ لیتے کیا ھے

چپ ھو گئے تیرے رونے والے
دنیا کا خیال آ گیا ھے

کم کم دکھتی ھے چوٹ دل کی
یہ زخم ابھی نیا نیا ھے

میری آواز میں ترا غم
کچھ اپنے رموز پا رھا ھے

سینوں میں چراغ جل اٹھے ھیں
وہ چہرہ جو یاد آ گیا ھے

سوتا سنسار ، جاگتا رب
کروٹ ترا درد لے رھا ھے

ھے صبحِ چمن غبار اُس کا
جس راہ سے تو گزر گیا ھے

دیوانہ بکارِ خویش ھشیار
دل در پہ ترے ٹھٹھک گیا ھے

آنکھوں کا قصور ، اگر نہ دیکھیں
باطل بھی تو صاف حق نما ھے

کب سے وہ نگاہ چھیڑتی ھے
چپ ھو جو فراق ، بات کیا ھے؟

غزل ، ۱۳۶

☆

دبدھا پیدا کر دے دل میں ، ایمانوں کو دے ٹکرانے
بات وہ کہہ اے عشق کہ سن کر سب قائل ہوں ، کوئی نہ مانے

کانٹا کانٹے سے نکلے گا ، ایسے میں پھول کا کام نہیں
چبھنے والی بات تو کہیے ، چاہے کوئی برا ہی مانے

اُسی درد سے دنیا غافل ، اُسی درد کا گھر گھر چرچا
ایک شبِ غم کی سو راتیں ، ایک محبت سو افسانے

اوروں سے بھی ہنس کر رو کر جھوٹا سچا پیار کیا تھا
وہ بھی تھے تیرے عشق کے حیلے، وہ بھی تھے تیرے غم کے بہانے

غفلت ہو تو کوئی چونکائے ، جاگے ہوؤں کو کون جگائے؟
ہائے وہ کارِ جہاں خود جس سے نکلیں بے عملی کے بہانے

حسن کے پاس اس کا نہیں چارا ، عشق کا اس میں کیا ہے اجارا
یوں بھی بھر جاتی ہیں آنکھیں ، یوں بھی بدل جاتے ہیں زمانے

اس کی نظر پر حیراں حیراں ، مجبوری بھی آزادی بھی
وہی کہے جو سب کے دل ہیں ، سب کی سنے اور اپنی مانے

دنیا اپنے رنگ محل میں خواب خوشی کے دیکھ رہی ہے
جس میں خوشی نے آنکھیں کھولیں ، تھے وہ محبت کے غم خانے

حسن و محبت آپ اپنی توہین ہیں گر معصوم نہ ہوں
تھوڑی دیر کو بھولے بن لیں ، ہم بھی سیانے تم بھی سیانے

یاد کسی کو کرتا بھی جا ، دل سے کسی کو بھلاتا بھی جا
پیتا بھی جا ، بھرتا بھی جا ، ہوش اور غفلت کے پیمانے

سامنے کی چیزیں بھی فراق انساں کو چونکا دیتی ہیں
بزم میں جاگتا خواب یہ دیکھا : ہمیں چراغ ، ہمیں پروانے

غزل ۱۳۷

☆

رات بھی، نیند بھی، کہانی بھی　ہائے کیا چیز ہے جوانی بھی
ایک پیغامِ زندگانی بھی　عاشقی مرگِ ناگہانی بھی
اس ادا کا تری جواب نہیں　مہربانی بھی، سرگرانی بھی
دل کو اپنے بھی غم تھے دنیا میں　کچھ بلائیں تھیں آسمانی بھی
شادکاموں کو یہ نہیں توفیق　دلِ غمگیں کی شادمانی بھی
تنگنائے دلِ ملول میں ہے　بحرِ ہستی کی بیکرانی بھی
خلق کیا کیا مجھے نہیں کہتی　کچھ سنوں میں تری زبانی بھی
دن کو سورج مکھی ہے وہ نوگل　رات کو ہے وہ رات رانی بھی
دلِ بدنام تیرے بارے میں　لوگ کہتے ہیں اک کہانی بھی
وضع کرتے کوئی نئی دنیا　کہ یہ دنیا ہوئی پرانی بھی
دل کو آدابِ بندگی بھی نہ آئے　کر گئے لوگ حکمرانی بھی
پاس رہنا کسی کا رات کی رات　میہمانی بھی، میزبانی بھی

زندگی عین دیدِ یار فراق
زندگی ہجر کی کہانی بھی

غزل ، ۱۳۸

☆

یہ راز کھلتا نہیں کہ دل کیوں رہینِ رنج و غم و تعب ہے
نہ بے دماغی کا کوئی کارن ، نہ بے دلی کا کوئی سبب ہے

تمام غم ہے مگر یہ انداز دیدنی ہے دمِ حضوری
کہیں سے آثارِ غم نہیں ہیں کہ عشق شائستۂ ادب ہے

لٹا کے جان اور دل کسی کو یہاں پہنچتا نہیں کوئی حق
بڑے بڑوں نے پناہ مانگی کہ عاشقی کا یہ ڈھب کڈھب ہے

کبھو محبت سے آج چھیڑے کوئی فسانہ ، کوئی کہانی
بہت اندھیری ، بہت فسردہ ، بہت بڑی زندگی کی شب ہے

کچھ اور عنوانِ زندگی ہے ، کچھ اور مقصد ہے زندگی کا
نہ زندگی انجمن ہے غم کی ، نہ زندگی محفلِ طرب ہے

میں سوچتا تھا مرے سرہانے ہوئی جب آنے کی اُس کے آہٹ
کہ خطِ تقدیر کے اُفق پر وہ رخ ہے یا مہرِ نیم شب ہے

نہیں ہے بالواسطہ کوئی شے ، نہ کوئی خالق نہ کوئی خلقت
ہر ایک شے ہے وجودِ مطلق ، وجود بے علت و سبب ہے

خبر ملی ہے اُن انکھڑیوں میں ستارے سے جھلملا رہے ہیں
تم آج اپنوں سے روٹھ بیٹھے، فراق صاحب! یہ کیا غضب ہے؟

غزل ۱۳۹

☆

اب دورِ آسماں ہے نہ دورِ حیات ہے
اے دردِ ہجر تو ہی بتا کتنی رات ہے

ظلمت سے نور سے یہ الگ کائنات ہے
حیرت سرائے عشق میں دن ہے نہ رات ہے

جینا جو آ گیا تو اجل بھی حیات ہے
اور یوں تو عمرِ خضر بھی کیا ، بے ثبات ہے

کیوں انتہائے ہوش کو کہتے ہیں بےخودی
خورشید ہی کی آخری منزل تو رات ہے

یہ موشگافیاں ہیں گراں طبعِ عشق پر
کس کو دماغِ کاوشِ ذات و صفات ہے

توڑا ہے لامکاں کی حدوں کو بھی عشق نے
زندانِ عقل ! تیری تو کیا کائنات ہے

ھستی کو تیرے درد نے کچھ اور کر دیا
یہ فرقِ مرگ و زیست تو کہنے کی بات ہے

عنوان غفلتوں کے ہیں ، فرقت ہو یا وصال
بس فرصتِ حیات فراق ایک رات ہے

غزل ، ۱۴۰

☆

کھلے چمن میں شبنم سے جس وقت رات پردہ کر دے
ہنستے ہوئے پھولوں کا یہ کہنا : ہمیں اشک کی چادر دے

کارِ منصبی ہے شاعر کا ، سب کو دے تعلیمِ نمو
ذرے کو خورشید بنا دے ، قطرے کو دریا کر دے

دستِ غیب کی ہیں یہ انگلیاں ، جن کو سمجھتے ہو اشعار
میری نواؤں سے فطرت کے رخ سے اُٹھتے چلے پردے

دعوائے کشف و کرامات اے دل کیا کریں یہ بھی نہیں کھلتا
اُٹھتے چلے ہیں کچھ پردے یا گرتے چلے ہیں کچھ پردے

اپنی خریداری بازارِ جہاں میں ہے تو اتنی ہے
جیسے دکاں میں مفلس کوئی چیز اٹھائے ، پھر دھر دے

اس کے لطف و کرم کے بھی ہوتے چین نہیں ، آرام نہیں
اے دلِ غمگیں ! اے دلِ غمگیں ! کوئی تجھکو کیا کر دے

یہ تنہائی ، یہ مجبوری ، یہ لاچاری ، یہ دکھ درد
کوئی نہیں اپنا پھر کس کو جا کر کوئی خبر کر دے

دنیا کے غربت خانے میں ، میری فراق دعا یہ تھی
جن پہ نہ ہو نقشِ تنہائی ، مجھ کو وہ دیوار و در دے

غزل ، ۱۴۱

☆

تہوں میں دل کی جہاں کوئی واردات ہوئی
حیاتِ تازہ سے لبریز کائنات ہوئی

چراغِ شامِ غریباں بھی جھلملا کے بجھے
مسافروں کو نئی منزلوں میں رات ہوئی

شریکِ رسمِ محبت ہے رسمِ دنیا بھی
نگاہِ لطف بھی صرفِ تکلفات ہوئی

بھٹک کے ہو گئے خود اپنی منزلِ مقصود
ہماری گمرہی بڑھ کر رہِ نجات ہوئی

حیات رازِ سکوں پا گئی ، اجل ٹھہری
اجل میں تھوڑی سی لرزش ہوئی حیات ہوئی

شبِ فراق میں اُٹھے حجابِ یاس و امید
تمام عمر میں بس ایک ہی تو رات ہوئی

بقا پیام لبوں کا ، فنا فسونِ نظر
فسانۂ دوجہاں اُس کی ایک بات ہوئی

تھی ایک کاوشِ بے نام دل میں فطرت کے
سوا ہوئی تو وہی آدمی کی ذات ہوئی

یہ کائنات خود اپنے میں ڈوب کر اُبھری
بڑے کرشمے ہوئے ہیں تو رات رات ہوئی

دیارِ دل میں یہ پرچھائیاں نہیں پڑتیں
حریمِ عشق میں دن ہی ہؤا نہ رات ہوئی

غزل ، ۱۴۲

جہانیوں پہ درِ خلد کھل کے بند ہوئے
نہ جب نجات ہوئی تھی نہ اب نجات ہوئی

ہزار رنگ غمِ جاوداں نے بھی بدلے
ابد کی شام بھی وقفِ تغیرات ہوئی

بہت دنوں میں محبت کو یہ ہؤا معلوم
جو تیرے ہجر میں گزری وہ رات رات ہوئی

ہزار دیدۂ انجم کھلے ، مگر تجھ سے
نظر ملی تو کہیں زندگی کی رات ہوئی

فراق کو کبھی اتنا خموش دیکھا تھا !
ضرور اے نگہِ ناز کوئی بات ہوئی

* * *

تو یاد آئے ، ترے جور و ستم لیکن نہ یاد آئیں
تصور میں یہ معصومی بڑی مشکل سے آتی ہے

*

میرے سینے سے لگ کے سو جاؤ
پلکیں بھاری ہیں ، رات بھی کم ہے

*

کس لیے کم نہیں یہ دردِ فراق
اب تو وہ دھیان سے اُتر بھی گئے

غزل ، ۱۴۳

☆

مطرب سے کہو آج اس انداز سے گائے
ہر دل کو لگے چوٹ سی ، ہر آنکھ بھر آئے

آنکھوں کو پھر اک شاہدِ رعنا نظر آئے
زریں کمرے ، کج کلہے ، تنگ قبائے

نس نس میں کوئی جیسے دبی چستیاں بھر دے
رگ رگ میں کلی جیسے چٹکتی چلی جائے

وہ شوخیِ محتاط کے بچتے ہوئے انداز
دنیا بھی نہ رہنے دے ، قیامت بھی نہ ڈھائے

کچھ ایسی بھی گزری ہیں ترے ہجر میں راتیں
دل درد سے خالی ہو مگر نیند نہ آئے

* * *

فریبِ عہدِ محبت کی سادگی کی قسم
وہ جھوٹ بول کہ سچ کو بھی پیار آ جائے

*

پکارتا ہے لہو کام آنے والوں کا
حیاتِ عشق نہیں بولتا ہؤا رن ہے

غزل ، ۱۴۴

☆

اب نہ داماں ہے کوئی نہ گریباں کوئی
منزلوں چھوڑ گیا باغ و بیاباں کوئی

جس طرح تار میں نغمہ ہے نہاں ، پھول میں بو
میری رگ رگ میں اسی طرح ہے پنہاں کوئی

کچھ تجاہل بھی مرے ذکر پہ کچھ شرم بھی ہے
کیا ہوں میں بھی ترا ٹوٹا ہؤا پیماں کوئی

یہ بھی سچ ہے کہ ہم آوارہ و سرگرداں ہیں
یہ بھی سچ ہے کہ ہمارا نہیں پرساں کوئی

عشق اب حسن کی تصویر ہؤا چاہتا ہے
اور چاہے تو رہے آج بھی پنہاں کوئی

نہ عدم ہوں نہ شبِ تار نہ خلوت گہِ ناز
میں تو کچھ بھی نہیں ، کیوں مجھ میں ہو پنہاں کوئی

کہیں اُٹھتے ہیں ، کہیں پڑتے ہیں پائے رنگیں
مجھ تک آتا ہے بہ اندازِ گریزاں کوئی

نہ جوانی ہے نہ دل ، رات گئی بات گئی
اب شبستاں ہے نہ ہے شمعِ شبستاں کوئی

دلِ گم گشتہ کی آتی ہے مجھے یاد فراق
جب نکلتا ہے بچائے ہوئے داماں کوئی

غزل ، ۱۴۵

☆

یہ بزمِ عشق ، حیرت خانۂ وحدت نہ ہو جائے
کہیں دنیا کی ہر صورت تری صورت نہ ہو جائے

وہی ہے حسن جس میں عشق کا عالم نکلتا ہو
وہ صورت کیا جو از سر تا قدم سیرت نہ ہو جائے

ہزاروں مشعلیں گل کر چکا ہے وقت کا دامن
یہ تیرا نورِ ایماں سر بسر ظلمت نہ ہو جائے

حیاتِ نو بہ نو ہے عشق ، تجدیدِ مسلسل ہے
ہوس والو محبت بھی کہیں عادت نہ ہو جائے

غلط جوشِ عمل تمہیدِ ناکامی ہے او ناداں
یہ جد و جہد سب ہاری ہوئی ہمت نہ ہو جائے

فراق اپنے وطن میں اب ہے خیریت ہی خیریت
یہ ڈر ہے ملک اپنا نذرِ خیریت نہ ہو جائے

* * *

وہ جا بھی چکا کب کا ، وہ بھول چکا کب کا
دل ہے کہ فراق اب تک دامن کو چھڑائے ہے

*

وجہِ ملال بھی تو ہو ، حسن بھی کس طرح منائے
اُف یہ مزاجِ عشق جو بیٹھے بٹھائے روٹھ جائے

غزل ، ۱۴۶

☆

کسی کا یوں تو ہؤا کون عمر بھر ، پھر بھی
یہ حسن و عشق تو دھوکا ہے سب ، مگر پھر بھی

ہزار بار زمانہ ادھر سے گزرا ہے
نئی نئی سی ہے کچھ تیری رہگزر پھر بھی

خوشا اشارۂ پیہم ، زہے سکوتِ نظر
دراز ہو کے فسانہ ہے مختصر پھر بھی

جھپک رہی ہیں زمان و مکاں کی بھی آنکھیں
مگر ہے قافلہ آمادۂ سفر پھر بھی

کہیں یہی تو نہیں کاشفِ حیات و ممات
یہ حسن و عشق بظاہر ہیں بے خبر ، پھر بھی

شبِ فراق سے آگے ہے آج میری نظر
کہ کٹ ہی جائے گی یہ شامِ بے سحر پھر بھی

پلٹ رہے ہیں غریب الوطن ، پلٹنا تھا
وہ کوچہ روکشِ جنت ہو ، گھر ہے گھر پھر بھی

لٹا ہؤا چمنِ عشق ہے ، نگاہوں کو
دکھا گیا وہی کیا کیا گل و ثمر پھر بھی

ہو بے نیازِ اثر بھی کبھی تری مٹی
وہ کیمیا ہی سہی ، رہ گئی کسر پھر بھی

تری نگاہ سے بچنے میں عمر گزری ہے
اتر گیا رگِ جاں میں یہ نیشتر پھر بھی

اگرچہ بے خودیِ عشق کو زمانہ ہؤا
فراق کرتی رہی کام وہ نظر پھر بھی

غزل ، ۱۴۷

☆

جو بھول کر بھی ادھر سے کبھی گزرتا ہے
میں سوچتا ہوں کہ وہ کل کو آج کرتا ہے

یہ امتزاجِ گناہ و ثواب اور کہاں
تری نگاہ پہ کیا کیا گماں گزرتا ہے

وہ دل مٹا ہے کہ اب دل ہی دل کے چرچے ہیں
جو موت اس طرح آئے تو کون مرتا ہے

سمائی ہے ترے سر میں ہوائے حور و پری
ہمارا دل تو دم اک آدمی کا بھرتا ہے

کسی کو سامنے پا کر بدن نہ کیوں ٹوٹے؟
نشاطِ عشق بھی خمیازہ غم کا بھرتا ہے

شگفتگی تو ہے پھر بھی شگفتگی لیکن
فسردہ ہو کے بھی کچھ اور بھی نکھرتا ہے

اُداس ہوتی چلی ہے فضا زمانے کی
کہ غم سے حسن بھی اب اتفاق کرتا ہے

کہاں سے آ گئی دنیا کہاں ، مگر دیکھو
کہاں کہاں سے ابھی کارواں گزرتا ہے

خوداعتماد اگر ہو کوئی تو ایسا ہو
کہ حسن عشق سے گستاخ ہے نہ ڈرتا ہے

زمین و چرخ بدلتے ہیں کروٹیں کیا کیا
یہ کون وادیِ الفت میں پاؤں دھرتا ہے

غزل ۱۴۸

وفا تو سنتے ہیں دنیا سے سٹ گئی لیکن
دلوں میں آج تک اک نقش سا ابھرتا ہے

ازل سے اس میں دوعالم سمائے جاتے ہیں
یہ دیکھنا ہے کہ کب دل کا جام بھرتا ہے

شراب کی سی ہے ہشیار آنکھ میں مستی
جو نشہ چڑھ نہ سکا وہ کہیں اترتا ہے

زہے یہ عالمِ راز و نیاز ، حسن ترا
خموش یوں ہے کوئی جیسے بات کرتا ہے

ہے کل کی بات کہ محشر بپا تھا اس دل میں
فراق آج یہ گھر بھائیں بھائیں کرتا ہے

* * *

اپنے مقام پر رہیں عشق کی بے نیازیاں
گو درِ خلد بھی کھلے ، دل نے کہا کہ کون جائے؟

زندگیاں بدل گئیں ، شام و سحر بدل گئے
پھر بھی وہی سوال ہے : دورِ سپہر کیا دکھائے؟

*

تو ایک تھا مرے اشعار میں ہزار ہؤا
اس اک چراغ سے کتنے چراغ جل اٹھے

غزل ، ۱۴۹

☆

یہ مانا زندگی ہے چار دن کی
بہت ہوتے ہیں یارو چار دن بھی

خدا کو پا گیا واعظ ، مگر ہے
ضرورت آدمی کو آدمی کی

محبت میں کریں کیا حال دل کا
خوشی ہی کام آتی ہے نہ غم ہی

بساتا کیا خدا اجڑے جہاں کو
غنیمت ہے یہاں ذات آدمی کی

رہے گی تازگی سینے میں دن بھر
ذرا پی لے مے ٔ غم کی صبوحی

کبھی بستی تھیں دنیائیں بھی ان میں
وہ آنکھیں آج جو ہیں سونی سونی

ابھی باتیں بہت کرنا ہیں تم سے
ابھی کچھ ہیں مے و مہتاب باقی

رقیبِ غم زدہ اب صبر کر لے
کبھی اس سے مری بھی دوستی تھی

سرِ بحرِ سخن داسانِ غم سے
اُٹھا کرتی ہیں موجیں زندگی کی

غزل ، ۱۵۰

☆

دونوں وقت ملتے ہیں ، کچھ ہوا سی چلتی ہے
جھٹپٹا ہے ، دنیا کی زندگی بدلتی ہے

ہو پھٹے وہ رنگ اپنا سربسر بدلتی ہے
دیکھ رات کی جوگن کیا بھبوت ملتی ہے

واقعی تری صورت یوں تو کب بدلتی ہے
پھر بھی دل کے سانچے میں سو طرح سے ڈھلتی ہے

جیسے صبح کی دیوی چھاؤں میں ستاروں کی
یوں امید کی صورت یاس میں نکلتی ہے

آتشِ غمِ جاناں ، آتشِ غمِ دوراں
بجھتے بجھتے بجھتی ہے ، جلتے جلتے جلتی ہے

شیخ و برہمن میں دیکھ ایک جھوٹ کی خاطر
کب سے چلتی آئی ہے کب تک اور چلتی ہے

عشق کو تو سنتے ہیں ہوش آ چلا شاید
حسن کی طبیعت اب دیکھ کب سنبھلتی ہے

کوئی رہتی دنیا کو کس طرح کہے فانی
جس کے ذرے ذرے میں زندگی مچلتی ہے

آنکھ کھولنا تیرا وقت کی ہے بیداری
تو ہے جاگنے کو یا صبح آنکھ ملتی ہے

حسن سے تری وحشت لاکھ اُنس بن جائے
یاد رکھ کہ مشکل سے یہ جھجک نکلتی ہے

اے فراق کیا ہوگا اور زیست کا ماتم
زندگی کی حالت پر موت ہاتھ ملتی ہے

☆

رکی رکی سی شبِ مرگ ختم پر آئی
وہ پو پھٹی ، وہ نئی زندگی نظر آئی

یہ موڑ وہ ہے کہ پرچھائیاں بھی دیں گی نہ ساتھ
مسافروں سے کہو اس کی رہگزر آئی

کہیں زمان و مکاں میں ہے نام کو بھی سکوں
مگر یہ بات محبت کی بات پر آئی

کسی کی بزمِ طرب میں حیات بٹتی تھی
امیدواروں میں کل موت بھی نظر آئی

دلوں میں آج تری یاد مدتوں کے بعد
بہ چہرۂ متبسم ، بہ چشمِ تر آئی

نیا نہیں ہے مجھے مرگِ ناگہاں کا پیام
ہزار رنگ سے اپنی مجھے خبر آئی

فضا کو جیسے کوئی راگ چیرتا جائے
تری نگاہ دلوں میں یونہی اُتر آئی

ذرا وصال کے بعد آئنہ تو دیکھ اے دوست
ترے جمال کی دوشیزگی نکھر آئی

شبِ فراق اُٹھے دل میں اور بھی کچھ درد
کہوں یہ کیسے تری یاد رات بھر آئی

غزل ، ۱۵۲

☆

میرا دلِ آگاہ ہے اک گنجِ معانی
اے ہم سخنو! تم نے مری قدر نہ جانی

اک لمحہ بھی اس زیست کا ، وقفہ ہے ابد کا
اک وہم ہے یہ تفرقۂ باقی و فانی

ایسے میں ہو توفیقِ سماعت مجھے اے کاش
جب رات سناتی ہو ترے غم کی کہانی

ہر دن ہے تری تابشِ رخسار کا پرتو
خوشبو تری ہر رات ہے ، اے رات کی رانی

پرچھائیں اُسی کی یہ زماں اور مکاں ہیں
ہستیِ محبت نہ مکانی نہ زمانی

کس ملک سے بھیجے ہوئے آتے ہیں برابر
ہر برگِ گلِ تازہ سے پیغامِ زبانی

بیدار شبِ ہجر ستارے بھی ہیں ، میں بھی
یہ رات کی ہے رات ، کہانی کی کہانی

یہ شرحِ حقائق ، یہ پریشان خیالی
یہ نکتہ رسی اور یہ آشفتہ بیانی

اندازِ فراق اور ہی انداز ہے یارو!
وہ میر کا ہم شیوہ نہ وہ غالبِ ثانی

غزل ، ۱۵۳

☆

اس میں کیا اب برائے نظر ہے
دل مرا اک لٹا سا نگر ہے

یہ جو آئینۂ بحر و بر ہے
ایک حیرت سرائے نظر ہے

اس میں بحرین کا ہے تموج
سات دریا لیے ہر گہر ہے

اشک ہے حاصلِ عمرِ فانی
زندگی کے شجر کا ثمر ہے

میرے ہر شعر کی یہ گھنی چھاؤں
ساحلِ بحرِ غم کا شجر ہے

شب کو اک روشنی سی سرِ جام
دل پر اس کی شعاعِ نظر ہے

کچھ شرارت سی مست انکھڑیوں میں
جیسے خوابیدہ سا اک شرر ہے

تازہ ہے ہر دماغ اس کے دم سے
شاعری بوئے گلہائے تر ہے

گوندھتا ہوں میں نغموں کے وہ ہار
بے خزاں جن کا ہر برگِ تر ہے

میری عرضِ وفا سن لے اے دوست
مختصر ہے ، بہت مختصر ہے

غزل ، ۱۵۴

باوفا اور بے درد ہے حسن
باکرم اور قاتل نظر ہے

اُف یہ دیوارِ زندانِ ہستی
خیر ہو ، عشق شوریدہ سر ہے

خانۂ عشق اک عالمِ ہُو
ساز و ساماں نہ دیوار و در ہے

کب دلوں میں یہ اشعار اُتریں
یوں تو یہ روشنی کا سفر ہے

جیسے کچھ نیند میں اک کرن ہو
یوں تبسّم لبِ ناز پر ہے

جتنے آنسو اس آفاق کے ہیں
سب کا ان آستیوں میں گھر ہے

جھوٹ اے دل نہیں بولتا وہ
غم بھی اک آئنہ سربسر ہے

جام سے کیا تڑاقے سے ٹوٹا
شیخ تیری بھی پتھر نظر ہے

کل ہے دنیا میں کیا ہونے والا
تجھ کو اے زندگی کچھ خبر ہے

شہرِ غم کے مضافات ہیں یہ
بس کہیں پاس ہی اپنا گھر ہے

ہم خریدیں گے اس سے دوعالم
جس کو کہتے ہو آنسو ، گہر ہے

غزل ، ۱۵۵

ارتقا اک نئے موڑ پر ہے
اب اُسے انتظارِ بشر ہے

منزلِ عشق میں اب تو گھر ہے
مرگ سے زیست شیر و شکر ہے

زندہ کہنے کو گو ہر بشر ہے
زندگی پھر بھی چیزِ دگر ہے

کس قدر شاد و آباد گھر ہے
ذرہ ذرہ جہاں اک نظر ہے

یہ مناظر میں چشمک زنی سی
ہر طرف بس نظر ہی نظر ہے

کیسے گھبراتے ہیں ہجر میں سیکھ
ضبطِ دردِ جدائی ہنر ہے

دل سے جاتی ہے راہ اس کے گھر کی
یوں تو وہ شارعِ عام پر ہے

عشق سے سیکھ گُر تازگی کا
ایک سا جس کو ہر خشک و تر ہے

میرے لہجے میں آہستگی تھی
اب وہی لہجہ آہستہ تر ہے

مجھ کو کیا خوف اہلِ ستم کا
بےکسی میری سینہ سپر ہے

زندگی کو ضرورت ہے اس کی
خاک میری کہاں ہے، کدھر ہے

غزل ۱۵۶

شاعر اے صاحبو عہد گر ہے
یوں تو کہنے کو وہ بے خبر ہے

زندگی اک مسلسل سفر ہے
یہ بتاؤ کہ جانا کدھر ہے

باغبانی نہیں ہوگی تجھ سے
تجھ کو تو حرصِ برگ و ثمر ہے

عشق کا کاروبار ان سے کیا ہو
جن کی سود و زیاں پر نظر ہے

بس وہ باغِ محبت ہے جس میں
کوششِ رائگاں بارور ہے

بند آنکھوں پر اے دل نہ جانا
بے خبر، عشق کو سب خبر ہے

دن کو بھی رات رہتی ہے جن میں
اب تو ان وادیوں سے گزر ہے

تجھ کو سوگند اے جلوۂ دہر
باش! یہ سجدہ گاہِ نظر ہے

اک کہانی سی پلکوں کے پیچھے
اک حکایت لبِ ناز پر ہے

رہروو عشق کے راستوں میں
خود مسافر ہی سازِ سفر ہے

قدر اپنی فراق آپ کر لوں
خود شناسی بھی نادر ہنر ہے

غزل ، ۱۵۷

☆

سکھ کو ہنس بیٹھے، دکھ کو رو بیٹھے
لوگ شاعر کہاں سے ہو بیٹھے

مانگنے سے تو موت بھی نہ ملی
زندگی سے بھی ہاتھ دھو بیٹھے

یاد کر کے نگاہِ نرم اُس کی
دل میں کانٹا سا اک چبھو بیٹھے

ساسقیانِ کوئے دلداریم
ہم اسی رہگزر کے ہو بیٹھے

پڑ کے بدذوقیِ سیاست میں
زندگی کا مذاق کھو بیٹھے

شیخ جی بن گئے فرشتہ صفات
آدمیت سے ہاتھ دھو بیٹھے

ہو گئے آج اے کدورتِ عشق
کتنے دن اس غبار کو بیٹھے

ہوشِ موجودگی نہیں لیکن
اور کچھ دیر ابھی رہو بیٹھے

داستاں ہجر کی فراق نہ پوچھ
کسی ہائے ہوئے کو کھو بیٹھے

غزل ۱۵۸

☆

نہ سمجھنے کی یہ باتیں ہیں نہ سمجھانے کی
زندگی اُچٹی ہوئی نیند ہے دیوانے کی

کم نہیں کچھ غمِ پنہاں ترے ناکاموں کو
کس کو فرصت ہے ترے ہجر کے غم کھانے کی

زندگی میں دلِ برباد کی ہو لے بے چین
پھر ہوائے چمنِ عشق نہیں آنے کی

پردۂ یاس میں امید نے کروٹ بدلی
شبِ غم تجھ میں کمی تھی اسی افسانے کی

اُجلے اُجلے سے کفن میں سحرِ ہجر فراق
ایک تصویر ہوں میں رات کے کٹ جانے کی

* * *

میں پا کے بھی کچھ منتظر سا ہوں تیرا
یہ دل کا قول ہے تو آپ اپنی آہٹ ہے

*

بے حقیقت ہیں آبِ گنگ و جمن
آنسوؤں سے ترے قدم دھوؤں

غزل ، ۱۵۹

☆

شبِ مے کدہ کے کبھی دیکھ اُجالے
اُچھلتے ہیں کیا مہر و ماہ کے پیالے

دھؤاں غم کا گھٹتا رہا دل میں برسوں
نظر تیری اس آئنے کو اُجالے

حساباتِ سود و زیاں سے گزر کر
کہو عشق سے کارِ دنیا سنبھالے

شبِ زندگی ہے حقیقت کا پردہ
گھنی رات میں جوت من کی جگا لے

برہ کی یہ راتیں ہیں کتنی سہانی
اب ایسے میں روٹھے پیا کو منا لے

بہت ہے اگر اس دبستانِ غم میں
تو آنکھوں کو آنسو بہانا سکھا لے

تری ہر ادا صد پیامِ محبت
نظر کہتی ہے کون یہ روگ پالے

تمھیں کیا ، محبت تو وہ معجزہ ہے
قضا و قدر کو بھی سانچے میں ڈھالے

نہ پوچھو کہاں سے فراق آج نکلے
بڑے آپ بنتے تھے اللہ والے

غزل ، ١٦٠

☆

یہ کون مسکراہٹوں کا کارواں لیے ہوئے
چٹیلی زندگی کی شادمانیاں لیے ہوئے

لبوں سے پنکھڑی گلاب کی حیات مانگے ہے
کنول سی آنکھ سو نگاہِ مہرباں لیے ہوئے

قدم قدم پہ دے اُٹھی ہے لو زمینِ رہگزر
ادا ادا میں بے شمار بجلیاں لیے ہوئے

نکلتے بیٹھتے دلوں کی آہٹیں نگاہ میں
رسیلے ہونٹ فصلِ گل کی داستاں لیے ہوئے

خطوطِ رخ میں جلوہ گر وفا کے نقش سر بسر
دلِ غنی میں سب حسابِ دوستاں لیے ہوئے

ادائے حسن برق پاش ، شعلہ زن ، نظارہ سوز
فضائے حسن اودی اودی بدلیاں لیے ہوئے

جگانے والے نغمۂ سحر لبوں پہ موجزن
نگاہیں نیند لانے والی لوریاں لیے ہوئے

وہ نرگسِ سیاہ ، نیم باز ، میکدہ بدوش
اندھیری مست راتوں کی جوانیاں لیے ہوئے

تغافل و خمار اور بے خودی کی اوٹ میں
نگاہیں اک جہاں کی ہوشیاریاں لیے ہوئے

ہری بھری رگوں میں وہ چھکتا بولتا لہو
وہ سوچتا ہؤا بدن خود اک جہاں لیے ہوئے

غزل ۱۶۱

وہی جبینِ نور جس پہ پڑ رہی ہے چھوٹ سی
خود اپنی جگمگاہٹوں کی کہکشاں لیے ہوئے

یہ کون نو بہارِ ناز آیا عضو عضو میں
جوانیاں ، جوانیوں کی آندھیاں لیے ہوئے

یہ کس کی مہکی مہکی سانسیں تازہ کر گئیں دماغ
شبوں کے راز ، شبنموں کی نرمیاں لیے ہوئے

یہ کن نگاہوں نے مرے گلے میں باہیں ڈال دیں
جہان بھر کے دکھ سے ، درد سے اماں لیے ہوئے

نگاہِ یار دے گئی مجھے سکونِ بے کراں
وہ بے کہی وفاؤں کی گواہیاں لیے ہوئے

ستے سے چہرے پر حیات رسمسائی ، مسکرائی
نہ جانے کب کے آنسوؤں کی داستاں لیے ہوئے

مری نگاہ تھرتھرا رہی ہے روئے یار پر
یقیں سے بھی استوار کچھ گماں لیے ہوئے

ترے نہ آنے تک اگرچہ مہرباں تھا اک جہاں
میں رو کے رہ گیا ہوں سو غمِ نہاں لیے ہوئے

تو آ گیا ، تو آ گیا ، یہ شام جگمگا اُٹھی
بہار لہلہا اُٹھی شمیمِ جاں لیے ہوئے

فضائے اسپتال ہے کہ رنگ و بو کی کروٹیں
ترے جمالِ لالہ گوں کی داستاں لیے ہوئے

فراق آج پچھلی رات کیوں نہ مر رہوں کہ اب
حیات ایسی شامیں ہوگی پھر کہاں لیے ہوئے

غزل ، ۱۶۲

☆

کیا راہ ہے راہ محبت کی ، سانس آتے آتے ٹوٹ گئی
کیا بار ہے بار محبت کا ، دو گام میں ہمت چھوٹ گئی

وہ در ، وہ چوکھٹ کیا چھوٹی ، عشاق کی قسمت پھوٹ گئی
چاہا تھا کہ دل کو سمجھالیں ، کچھ سوچ کے ہمت چھوٹ گئی

چاہا تھا جسے دکھتے دل سے ، اس کی بھی نگاہ کبھی ہوگی
اُس شخص کی قسمت کیا کہیے یہ آس بھی جس کی ٹوٹ گئی

ہمراز نہیں ، دم ساز نہیں ، اللہ کوئی آواز نہیں
کیا عشق کی دنیا میں آتے ہی رہتی دنیا چھوٹ گئی

ہے درد سا درد محبت کا ، ہے چوٹ سی چوٹ محبت کی
آنکھیں بھی نہ پڑنے پائی تھیں اور منہ پہ ہوائی چھوٹ گئی

محشر کا دن جب ڈوب چلا انگڑائی لے لے کے اُٹھے
اُن آنکھوں کے اے متوالو! نیند اتنی جلدی ٹوٹ گئی

آگے شاید پڑتا ہے عدم ، کچھ ٹھیک ہمیں معلوم نہیں
یہ درد کی حد ہے فراق یہیں سے دل کی بستی چھوٹ گئی

غزل ، ۱۶۳

☆

وہ آنکھ زبان ہو گئی ہے   ہر بزم کی جان ہو گئی ہے

اکثر یہ ہؤا کہ یاد تیری   تنہائی کی جان ہو گئی ہے

اک چشم زدن میں رہتی دنیا   بے نام و نشان ہو گئی ہے

ہر بات کو جان کے بھی اکثر   وہ آنکھ انجان ہو گئی ہے

پہلے وہ نگاہ اک کرن تھی   اب ایک جہان ہو گئی ہے

اب تو دنیا نشاط کی بھی   غم کا سامان ہو گئی ہے

واعظ مجھے کیا خدا سے ، دنیا   میرا ایمان ہو گئی ہے

ہاں رات کی رات حسرتِ وصل   میری مہمان ہو گئی ہے

شرکت تری بزمِ قصہ گو میں   افسانے کی جان ہو گئی ہے

سنتے ہیں کہ اب نوائے شاعر   صحرا کی اذان ہو گئی ہے

یہ دولت وعلم ، پھر بھی تہذیب   کتنی بے جان ہو گئی ہے

ہر بیت فراق اس غزل کی
ابرو کی کمان ہو گئی ہے

غزل ، ۱۶۴

☆

اک تری یاد ایسی ہے جس سے جلوۂ خلد نظر آئے
اک تری یاد ایسی ہے جس سے آنکھوں میں آنسو بھر آئے

آج اس طرح ترے قدموں میں آیا عشقِ خانہ خراب
جیسے دیس بدیس کا کوئی بھولا بھٹکا گھر آئے

یوں بھی کبھی دنیا بدلی ہے ، یوں بھی پلٹی ہیں تقدیریں
سنتے تھے مرنا کام بڑا ہے ، لوگ یہ کام بھی کر آئے

چہرے روشن تھے محفل میں پھر بھی اداسی چھائی تھی
ایک ہمیں وہ شمعِ وفا تھے بزم میں جو بجھ کر آئے

دھؤاں دھؤاں تھی شامِ محبت ، حسن بھی تھا کچھ اداس اداس
یوں تھے چشمِ پُرآب ستارے عشق کی جیسے خبر آئے

شرم و حیا کم ہوتے ہوتے حسن پہ وہ جوبن آیا
جیسے گھٹا کے چھٹتے چھٹتے چاندنی رات نکھر آئے

خونِ تمنّا کی موجیں ہیں جلوہ دہِ گلزارِ جہاں
اور ذرا چھیڑیں جو ہوائیں بوئے مئے کوثر آئے

خون میں ڈوبی ہوئی آواز سے ہم نے نکھارا حسنِ حیات
دھندلے نقش و نگارِ جہاں میں رنگِ محبت بھر آئے

موت کی وادی ڈھونڈ رہے تھے ، آ نکلے لبِ آبِ حیات
عشق کی گمراہی مت پوچھو ، ہم بھی فراق کدھر آئے

غزل ۱۶۵

☆

کچھ اور سادہ محبت کی زندگی ہوتی
تو اور رنگ سے شرحِ غم و خوشی ہوتی

تجھے بھلا کے جسے اہلِ دل بسر کرتے
وہ زندگی بھی محبت کی زندگی ہوتی

جہاں کے رنج و خوشی کا بھرم تو کھل جاتا
شرابِ عشق سلیقے سے تو نے پی ہوتی

سنا ہے اہلِ محبت کو اک شکایت ہے
یہی کہ حسن میں اتنی نہ بےخودی ہوتی

عجب یہ غنچۂ دل میں ہوا سمائی ہے
شگفتہ ہو کے بھی کم کم فسردگی ہوتی

جہاں بھی جستجوئے دوست میں ٹھہر جاتے
یقین جان کہ منزل قریب ہی ہوتی

تمہیں تو اہلِ ہوس امتحاں سے بھاگ چلے
یہ کیا ضرور کہ ہوتی تو موت ہی ہوتی

یہ سوچتا ہؤا دنیا سے اُٹھ گیا کوئی
تری نگاہ بھی ہوتی تو کیا ابھی ہوتی

کچھ انتظار کا عنوان تو بدل جاتا
جو غم کی شام ہوئی تھی تو صبح بھی ہوتی

یہ اختصار بڑی چیز ہے محبت میں
تری نگاہ مری شرحِ خامشی ہوتی

غزل ۱۶۶

ھؤا نہ ، حیف ، جسے ھم نے تم نے سوچا تھا
یہ حسن و عشق کی دنیا بدل گئی ھوتی

ھزار غم ھو ، نہیں چاھتا کوئی دل سے
کہ اس کے بدلے کوئی اور زندگی ھوتی

فراق زندگیِ غم کے راز کیا کہیے
اگر یہ موت نہ ھوتی تو زندگی ھوتی

* * *

دبے پاؤں ھوا بن کر وہ جب دل میں سنکتا ھے
یہ صحرا چونک پڑتا ھے جو پتا بھی کھڑکتا ھے

دلِ غمگیں کی کچھ محویتیں ایسی بھی ھوتی ھیں
کہ تیری یاد کا آنا بھی ایسے میں کھٹکتا ھے

ھزاروں آفتابوں کا ھے مطلع بطنِ تاریکی
چمک جائے مقدر اھلِ غم کا ، ھو تو سکتا ھے

یہی عالم رھا تو گنبدِ گردوں کو چھو لے گا
مرے خاکسترِ دل سے جو شعلہ سا لپکتا ھے

نوا سنجِ چمن ھوں میں ، ھوا خواہِ گلستاں ھوں
فراق اتنا بتا کیوں باغباں مجھ سے کھٹکتا ھے

غزل ، ۱٦۷

☆

راہ دیکھ کر چلنے والے کبھی کبھی تو منہ کی کھالے
زندہ دلی کی تصویریں ہیں موت کے ہاتھوں جینے والے

حسن یہی ہے ، عشق یہی ہے دھوکے دے لے ، دھوکے کھالے
سنبھلے ہوؤں کے قدم نہیں جمتے گرتے ہوؤں کو کون سنبھالے

ھجر و وصال سے بچ کر آس کو جی سے بھلا دے ، من میں بسالے
حسن سے کوئی نہیں ہے شکایت آج پڑے ہیں عشق کے پالے

آج تو رنگا رنگ ہے دنیا رنگ جمالے ، رنگ اُڑالے
وحشت بھی مانوس ہے کتنی آئے اچھی آنکھوں والے

ناداں کام نہیں یہ خوشی کا دل سنبھلے گا غم کے سنبھالے
عشق کا حاصل یہ بھی بہت ہے کچھ شرما لے ، کچھ پچھتا لے

ہم بھی ہوتے ہیں کچھ غافل اے دل تو بھی آنکھ لگالے
رات اندھیری ، راہ کٹھن ہے دردِ محبت کو چمکالے

بستی بستی ، منزل منزل جی اٹکالے ، دل بھٹکالے

اُس کو فراق مسیحا سمجھیں
نبض محبت کی جو پالے

غزل ، ۱۶۸

☆

سب ہیں اچھی صورت والے　　جانچے پرکھے ، دیکھے بھالے
آج ہیں کتنے ٹھنڈے ٹھنڈے　　کل جو تھے آتش کے پرکالے
حسن خفا ہے اک دنیا سے　　ہے کوئی ، جو بات بنا لے !
گہری نیند میں جاگ رہے ہیں　　تیری آنکھوں کے متوالے
پھر یہ تمنائیں نہ رہیں گی　　اے دل جی بھر کے للچا لے
کل پھر عشق نہ روٹھ سکے گا　　آج منا لے ، آج منا لے
عشق نے اُٹھ کے بدل دی دنیا　　دیکھتے رہ گئے دیکھنے والے
کون یہ وادیِ عشق سے نکلا　　آنسو روکے ، درد سنبھالے
آج پیا پردیس سے آئے　　آنسو ہنستے ہنستے بہا لے
زنداں بھی زنداں نہ رہے گا　　اور ابھی کچھ جی گھبرا لے
اتنی بھی فرصت پھر نہ ملے گی　　ہنس لے ہنسا لے ، رو لے رلا لے
آج تو جیسے وہ بھی یہیں ہے　　آج تو دل کا درد بڑھا لے

غم بھی بقولِ فراق خوشی ہے
وہ بھی ہیں کیا اُلٹی مت والے

غزل ، ۱۶۹

☆

بجھی بجھی سی ایک پریم کی چنگاری
بھڑک اُٹھی تو دنیا بھر میں آگ لگی

اپنے جنم دن سے تھی محبت مت ماری
دیکھا آؤ نہ تاؤ ، آگ میں کود پڑی

آہ ! اُجالے پاکھ ، برہ کی رین سکھی
میرے آنگن میں کیوں آئی سہاگ جلی

لپک رہے ہیں کرشن کی بنسی کے کوندے
انگ انگ ہے اُس کا برندا بن کی گلی

بات وہی تھی بن بن کے جو بگڑی ہے
آس وہی تھی جو بندھ بندھ کے ٹوٹ گئی

جان ہی دے دی ، اپنوں سے بھی کچھ نہ کہا
آخر ایسی دل والو کیا بپتا پڑی !

جیتے ہیں جو ہان لابھ کے دھڑکوں میں
جان لٹانے آئے ہیں دیکھا دیکھی

گیانی کو بھی بھرما دیتی ہے دنیا
نام روپ کی یارو یہ مایا نگری

روپ کامنی کا وہ عالم رات گئے
انگ انگ مدماتی آنکھیں نیند بھری

من کو ایک کرن رہ رہ کے چھوتی ہے
دیکھ رہا ہے کون ادھر چوری چوری

غزل ، ۱۷۰

گھونگھٹ مارے نار کھڑی من مندر میں
یوں بیوگ میں مجھ کو تیری سدھ آئی

اک ستیہ ہے لیکن اُس کے نام انیک
ایک ندی ہے لیکن اُس کے گھاٹ کئی

پریتم اور بات کر کوئی ، آنسو پونچھ
تیرے برہ میں پوچھ نہ مجھ پر کیا بیتی

رستے سادھو سنت یہ کس کے میت ہوئے
ہم تم ابلا نار سکھی ، پریتم جوگی

جل جل کر آکاش دیپ بجھ گئے فراق
پو پھٹتی ہے جیسے برہن کی چھاتی

* * *

میں نے دیکھی ہیں یہ آنکھیں مست و افسوں گر کہاں
ساقیا چھوٹا تھا میرے ہاتھ سے ساغر کہاں

جامِ دل کی تہ میں موجِ خوں سی اُٹھ کر رہ گئی
اپنی قسمت میں کوئی چھلکا ہؤا ساغر کہاں

غزل ، ۱۷۱

☆

بھنور میں ازل سے ہیں دل کھوئے کھوئے
محبت ابھارے ، محبت ڈبوئے

ستارے چھپے جھلملا جھلملا کے
ترے جاگنے والے رو رو کے سوئے

طلب اس سے کر کیمیا زندگی کی
جو درد اور راحت کو باہم سموئے

گلے کے ترے ہار بن بن کے ٹوٹے
بہت رونے والوں نے موتی پروئے

تری بے نیازی سے کچھ ہم بھی کہتے
مگر کون اے دوست بات اپنی کھوئے

زمینِ محبت کی قسمت نہ چمکی
مری چشمِ تر نے ستارے بھی بوئے

رہی راز ہی وارداتِ محبت
ہنسے تم بھی کچھ ، رونے والے بھی روئے

میں کہتا تھا جگ بیتی یا آپ بیتی
کبھی میں بھی رویا کبھی تم بھی روئے

ہوائے محبت کے جھونکے نہ پوچھو
فراق اس ہوا میں نہ جاگے نہ سوئے

غزل ، ۱۷۲

☆

آنکھوں میں جو بات ہو گئی ہے ۔ اک شرحِ حیات ہو گئی ہے
غم سے چھٹ کر یہ غم ہے مجھ کو ۔ کیوں غم سے نجات ہو گئی ہے
مدت سے خبر ملی نہ دل کی ۔ شاید کوئی بات ہو گئی ہے
اب ہو مجھے دیکھیے کہاں صبح ۔ اُن زلفوں میں رات ہو گئی ہے
اقرارِ گناہِ عشق سن لو ۔ مجھ سے اک بات ہو گئی ہے
اس دور میں زندگی بشر کی ۔ بیمار کی رات ہو گئی ہے
جیتی ہوئی بازیِ محبت ۔ کھیلا ہوں تو مات ہو گئی ہے
کیا جانیے موت پہلے کیا تھی ۔ اب میری حیات ہو گئی ہے
مٹنے لگیں زندگی کی قدریں ۔ جب غم سے نجات ہو گئی ہے
وہ چاہیں تو وقت بھی بدل جائے ۔ جب آئے ہیں رات ہو گئی ہے
اکا دُکا صدائے زنجیر ۔ زندان میں رات ہو گئی ہے

ایک ایک صفت فراق اُس کی
دیکھا ہے تو ذات ہو گئی ہے

غزل ، ۱۷۳

☆

قصرِ شہی سے بڑھ کے زمیں دل کی سج گئی
جتنے دنوں تھی یاد تری راج رج گئی

اے زندگیِ عشق غمِ دوست میں تجھے
کیا مل گیا کہ دولتِ کونین تج گئی

منزل نما تھے نقشِ قدم راہِ شوق میں
یہ زندگی بھٹکتی ہوئی کس نہج گئی

مجھ کو خراب کرکے ہؤا حسن بھی خراب
دو روز میں وہ سج ہوئی غائب ، وہ دھج گئی

اُس کی سبک روی تھی مثالِ نسیمِ صبح
اک موجِ بو سہج سہج آئی سہج گئی

بزمِ شبِ فراق میں اشکوں کی تھی کمی
تارے چھٹک گئے تو یہ محفل بھی سج گئی

* * *

یہ شرم کیا ہے کہ موجیں حیاتِ فانی کی
نہ چھو سکیں ترا دامن تو ڈوب مرتی ہیں

کہیں وہی نہ ہوں اہلِ جہاں کی تقدیریں
ہمارے دل سے جو پرچھائیاں گزرتی ہیں

غزل ، ۱۷۴

☆

پھر آج اشک سے آنکھوں میں کیوں ہیں آئے ہوئے
گزر گیا ہے زمانہ تجھے بھلائے ہوئے

کسی کی شوخیِ پنہاں میں یہ نکھار نہ تھا
فسردہ دل بھی ہیں کچھ آج رنگ لائے ہوئے

جو منزلیں ہیں تو بس رہروانِ عشق کی ہیں
وہ سانس اُکھڑی ہوئی ، پاؤں ڈگمگائے ہوئے

یہ نرم نرم ہوائیں ہیں کس کے دامن کی
چراغِ دیر و حرم بھی ہیں جھلملائے ہوئے

تپاں تپاں سے ہیں کچھ آج رنگ و بو والے
یہ کس کے سوزِ نہاں کی ہیں آنچ کھائے ہوئے

وہی ہیں رونقِ ہستی ، وہی ہیں جانِ نشاط
اُداس بیٹھے ہیں جو تیری لَو لگائے ہوئے

نہ رہزنوں سے رکے راستے محبت کے
وہ قافلے نظر آئے لٹے لٹائے ہوئے

اب اضطراب سا کیوں ہے ، کہ مدتیں گزریں
تجھے بھلائے ہوئے ، تیری یاد آئے ہوئے

جو کھوئے کھوئے سے ہیں منزلِ محبت میں
وہ حسن کا بھی ہیں کم کم سراغ پائے ہوئے

جو امتحانِ محبت سے دور ہیں کوسوں
اُنھیں بھی ہے کوئی در پردہ آزمائے ہوئے

غزل ۱۷۵

دعا کریں نہ وہی صبر و ضبطِ عشق، جو ہیں
ہزار بار مصیبت میں کام آئے ہوئے

نہ جانے کیا یہ فسردہ دلوں کو سوجھی ہے
کہ چار سمت ہیں اک آگ سی لگائے ہوئے

نگاہِ اہلِ محبت اُٹھی کسی جانب
غم و نشاطِ زمانہ کے بھید پائے ہوئے

زمانہ بھول گیا، بس وہی نہیں بھولے
گزر گئی جنہیں اک عمر یاد آئے ہوئے

نثار کرنے کو تجھ پر کہاں سے لائیں خوشی
یہی ہیں کچھ غمِ پنہاں بچے بچائے ہوئے

وہی ہیں محویتیں آج تک زمانے کی
وہی فسانۂ غم ہیں سنے سنائے ہوئے

مقدروں کے بدلنے سے تجھ کو کیا لیکن
یہ کام کس نے بگاڑے بنے بنائے ہوئے

یہ شادکامِ محبت، یہ رازدانِ نشاط
یہ لوگ اپنے لہو میں ہیں کیوں نہائے ہوئے

پھر آج اے نگہِ یاس چھیڑ ان آنکھوں کو
کہ مدتیں جنہیں گزری ہیں مسکرائے ہوئے

ہوا نہ جن کی کبھی پا سکیں حیات و ممات
دلوں میں ایسے بھی کچھ درد ہیں سمائے ہوئے

فراق تو ہی مسافر ہے تو ہی منزل بھی
کدھر چلا ہے محبت کی چوٹ کھائے ہوئے

غزل ۱۷۶

☆

غمزدوں کا کیوں پتا دینے لگیں باتیں تری
دن ترے بھرپور ، رنگا رنگ ہیں راتیں تری

اک سکوتِ داستاں در داستاں تیری نگاہ
اک سکونِ حشر ساماں یہ ملاقاتیں تری

ہے انھیں میں ایک مرگِ ناگہاں کا بھی فریب
ہم کو سب معلوم ہیں اے زندگی گھاتیں تری

آنکھیں بھر آئیں گی ، سینوں میں اُمڈ آئیں گے دل
جب دیارِ یار ، یاد آئیں گی برساتیں تری

اب مری آواز پردہ ہے تری آواز کا
یہ مرے نغمات ہیں اے دوست یا باتیں تری

حسن ہی کا دوسرا نام اک سکونِ بیکراں
پھول کی سیجیں تری ، نیندیں تری ، راتیں تری

داستاں در داستاں ہے شاعری تیری فراق
محفلِ انجم تری ، راتیں تری ، باتیں تری

* * *

ازل سے تا بہ ابد زیرِ چرخ ٹھان کے رن
اجل ہزار لڑے ، زندگی بھی آن تھک ہے

جنوں کے تپتے بنوں میں ترا دیا ہؤا سوز
فضائے صبحِ گلستاں میں تیری ٹھنڈک ہے

غزل ، ۱۷۷

☆

ہر عقدۂ تقدیرِ جہاں کھول رہی ہے
ہاں دھیان سے سننا یہ صدی بول رہی ہے

انگڑائیاں لیتی ہے تمنّا تری دل میں
شیشے میں پری ناز کے پر تول رہی ہے

رہ رہ کے کھنک جاتی ہے ساقی یہ شبِ ماہ
اک جام پلا خنکیِ شب بول رہی ہے

دل تنگ ہے شب کو کفنِ نور پنہا کے
وہ صبح جو غنچوں کی گرہ کھول رہی ہے

اک آگ لگا دیتی ہے دیوانوں کے دل میں
غنچوں کی رگوں میں جو تری ڈول رہی ہے

چھلکاتی ہے جو آنکھ نگاہوں سے گلابی
اس پردے میں وہ زہر بھی کچھ گھول رہی ہے

شبنم کی دمک ہے کہ شبِ ماہ کی دیوی
موتی سرِ گلزارِ جہاں رول رہی ہے

رکھتی ہے مشیّت حدِ پروازِ جہاں بھی
انسان کی ہمت وہیں پَر تول رہی ہے

پہلو میں شبِ تار کے ہے کون سی دنیا
جس کے لیے آغوشِ سحر کھول رہی ہے

ہر آن وہ رگ رگ میں چٹکتی ہوئی کلیاں
اُس شوخ کی اک ایک ادا بول رہی ہے

غزل ۱۷۸

آمادۂ عصیاں ہیں جوانانِ چمن آج
جو شاخ ہے پیمانۂ مے تول رہی ہے

خوش ہے دلِ غمگیں بھی ، غنیمت ہے یہ وقفہ
اس کی نگہِ ناز بھی ہنس بول رہی ہے

گو حسن کی قیمت ہے ازل ہی سے دو عالم
وہ جنسِ محبت ہے جو انمول رہی ہے

پھر از سرِ نو چونکتی جاتی ہیں نگاہیں
خاموش ہیں افلاک ، زمیں بول رہی ہے

اک کشفِ کرامات کا عالم ہے گلستاں
یا بادِ صبا رازِ جہاں کھول رہی ہے

چھڑتے ہی غزل بڑھتے چلے رات کے سائے
آواز مری گیسوئے شب کھول رہی ہے

آتا ہے فراق آج ادھر پھر زیارت
بت خانے کی خاموش فضا بول رہی ہے

* * *

کبھی خود بھی آباد کر ان دلوں کو
جہاں تیرے غم کی عملداریاں ہیں

رگِ جاں سے نازک ہیں خط اس بدن کے
الٰہی یہ کس کی قلمکاریاں ہیں

غزل ۱۷۹

☆

یہ لٹک تیری زلف پر خم کی   دل میں پرچھائیاں پڑیں غم کی

کیا چمن بھی ہے داستاں غم کی   کیوں بھر آئی ہے آنکھ شبنم کی

شاعری کہتے ہیں اسی کو کہ ہو   کیفیت جس میں زخم و مرہم کی

لاکھ غم مٹ گئے تو کیا غم ہے   زندگی ہے تو کیا کمی غم کی

روکنے سے ہنسی نہیں رکتی   ہوگئی شاید انتہا غم کی

عشقِ دل تنگ کا جواب نہیں   جس میں ہیں وسعتیں دوعالم کی

ہوں خوشی کا بھی معترف لیکن   زندگی ہے تو زندگی غم کی

بڑھتے جاتے ہیں راہِ الفت میں   چھٹتی جاتی ہیں منزلیں غم کی

غور سے دیکھ فرش سے تا عرش   جیسے اک صف بچھی ہو ماتم کی

ہم بھی دشمن سے ہو گئے اپنے   آپ نے جب سے دوستی کم کی

غم کی گہرائیوں میں جا کے فراق
ہم نے بنیادِ عشق محکم کی

* * *

تو بھی آمادۂ سفر ہو فراق
قافلے اس طرف لگے جانے

غزل ، ۱۸۰

☆

یہ جو قول و قرار ہے، کیا ہے　　شک ہے یا اعتبار ہے، کیا ہے

جس کو کہتے ہیں ہم بہارِ چمن　　برگ ہے، گل ہے، خار ہے، کیا ہے

کچھ جو اُٹھتا ہے دل میں رہ رہ کر　　ابر ہے یا غبار ہے، کیا ہے

نیچی نظروں میں کچھ تبسم سا　　شوخ ہے، شرمسار ہے، کیا ہے

کوئی دل کا مقام سمجھاؤ　　گھر ہے یا رہگزار ہے، کیا ہے

پھول ہے یا چراغ ہے کوئی　　یہ جو روئے نگار ہے، کیا ہے

بادۂ زندگی سے عالم کو　　نشہ ہے یا خمار ہے، کیا ہے

تر و سوزاں ہیں جس سے یہ پلکیں　　اشک ہے یا شرار ہے، کیا ہے

جس سے سینہ ہے خار خار اپنا　　اک گلِ نوبہار ہے، کیا ہے

شبِ فرقت میں ہر ستارے کی لو　　اک چراغِ مزار ہے، کیا ہے

نہ کھلا یہ کہ سامنا تیرا　　دید ہے، انتظار ہے، کیا ہے

نہ کھلا اس کے طور سے نہ کھلا　　دشمنِ جاں ہے، یار ہے، کیا ہے

یاد بھی تو تری نہیں آئی　　دل جو یوں بے قرار ہے، کیا ہے

مجھ کو سب اختیار ہے لیکن　　یہ جو سب اختیار ہے، کیا ہے

آدمی اس دیارِ ہستی میں　　اک غریب الدیار ہے، کیا ہے

زندگی اک نشاطِ ازلی ہے　　یا غمِ تازہ کار ہے، کیا ہے

کاش سمجھیں اسے اگرچہ فراق
یہی اک بادہ خوار ہے، کیا ہے

دیوان غالب (مصور)

غالب کو سرچشمۂ رازِ آسمانی ہونے کا جو دعویٰ تھا، بیجا نہ تھا - جہاں تک تخیل کی ندرت، الفاظ و آہنگ کے شکوہ اور فکر کی گہرائی کا تعلق ہے، کم ہی سخن ور اُن سے بازی لے جا سکتے ہیں - درحقیقت اقبال نے شیکسپیئر کے بارے میں جو کہا ہے کہ ’’دلِ انساں کو ترا حسنِ کلام آئینہ‘‘، وہ غالب پر بھی صادق آتا ہے -

یوں تو اردو میں بڑے شاعر اور بھی ہیں، لیکن جتنے قدرداں، سخن فہم اور عقیدت مند غالب کو نصیب ہوئے، کسی کے حصے میں نہ آئے - شارحین کو دیکھیے تو کلامِ غالب کے دلدادہ، محققین پر نظر ڈالیے تو وہ غالب کے سوانح اور تصانیف کے ہر پہلو اور ہر ورق کو بے نقاب کرنے پر آمادہ، لیکن سب سے حسین امتیاز جو غالب کو حاصل ہؤا ہے، اور اس اعتبار سے اردو کا کوئی شاعر ان کا حریف نہیں بن سکتا، وہ یہ ہے کہ اُن کا دیوان بار بار بڑی خوبصورتی سے طبع ہؤا - ایک سے ایک دیدہ زیب ایڈیشن دیکھنے میں آیا ہے حتیٰ کہ یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ دیوانِ غالب کو دلہن کی طرح سجا کر شایع کرنا پاک و ہند کے اردو ناشروں کی روایت بن چکا ہے - **نیا ادارہ** کا یہ نفیس اور خوش نما ایڈیشن اسی روایت کا تازہ ترین باب ہے - اس کے ہر صفحے سے **نیا ادارہ** کی انفرادیت نمایاں ہے - دیدنی ٹائپ اور موزوں طباعت پر حنیف رامے کی اکیس تصویریں اور سرورق مستزاد ہیں -

حنیف رامے ملک کے جانے پہچانے مصور ہیں - ان کا فن مغربی تجریدی آرٹ، خطاطی کے بانکپن اور رنگ شناسی کا عمدہ امتزاج ہے - سادہ رنگوں اور کھبتی ہوئی لکیروں کی مدد سے انھوں نے غالب کے اشعار کے باطن کی چہرہ کشائی کی ہے، اسے طرفہ تناظر عطا کیا ہے - غالب اور نئی مصوری کا یہ وصال جتنا خوش آیند ہے، اتنا ہی ’’جنتِ نگاہ‘‘ ہے -

اس ایڈیشن میں دیوانِ مروج تو تمام کا تمام ہے ہی، اس کے علاوہ رنگِ بیدل اور غالب کے اُس کلام کا، جو اُن کی وفات کے بعد وقتاً فوقتاً ادھر اُدھر سے دستیاب ہوتا رہا، انتخاب شامل ہے - یہ انتخاب مشہور نقاد مظفر علی سید نے کیا ہے - یقین ہے کہ جس طرح سخن فہم غالب کے کلام کو آنکھوں سے لگا کر رکھتے اور دل میں جگہ دیتے ہیں اسی طرح اہلِ نظر **نیا ادارہ** کے دیوانِ غالب کو سر آنکھوں پر جگہ دیں گے اور یہ مدتوں یادگار رہے گا - **-/۲۵**

نیا ادارہ، لاہور